بادۂ سرجوش

مصنفہ

ابوالفصاحت جنابِ جوشؔ ملسیانی تلمیذ جہاں استاد حضرتِ داغؔ دہلوی

پبلشرز

مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر (جالندھر)

[...]ل برقی پریس جالندھر شہر میں باہتمام آغا محمد حفیظ اللہ پرنٹر چھپا - اور نوہریا رام ورد نے مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر ضلع جالندھر سے شائع کیا

باراوّل ۱۰۰۰ ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء قیمت غیر مجلد عہ - مجلد عہ

(غلام جیلانی کاتب جالندھر شہر)

بر خستگئ ظاہرِ من سرگراں مباش

مضمونِ نازکم بہ کتابِ دریدہ تر

جوشؔ ملسیانی

ارشاداتِ گرامی

کیا وصفِ جنابِ جوشؔ لکھئے
غارت گرِ صبر و ہوش لکھئے

اندازِ کلام اثر میں ڈوبا
نشتر کی طرح جگر میں ڈوبا

ہر مطلع ہے آفتاب ان کا
ہر مقطع ہے لاجواب ان کا

جو مصرع ہے انتخاب ہے وہ
جو شعر ہے کامیاب ہے وہ

جو حرف وہ حرفِ دل نشیں ہے
جو لفظ وہ لفظ نازنیں ہے

ترتیبِ غزل ہو سُست کیونکر
تخئیل ہو نا درست کیونکر

خوش فکر ہیں خوش دماغ یہ ہیں
شاگردِ رشیدِ داغؔ یہ ہیں

اسلاف کی یادگار ٹھہرے
تاجِ سرِ افتخار ٹھہرے

نوحؔ ناروی

مرے دل کی تڑپ نے جان تک چھوڑی نہ قالب میں
بُجھا ڈالا چراغِ عمر اس پنکھے نے ہِل ہِل کے

عیش میں ڈوبے ہوئے دل کا ٹھکانا ہے کہاں
یہ بھی حکمت تھی کہ ناکامِ تمنّا کر دیا

ہر اشکِ خوں ستارہ ہے صبحِ اُمید کا
ہے شورِ مرگ ہی میں نہاں نغمہ عید کا

جو مجھے بھی مری آنکھوں سے چھپا دیتا ہے
ہائے وہ جلوہ نظر بھر کے میں دیکھوں کیونکر

ترا مزاج نہ اے گردشِ زمانہ ملا
خراب بھی ہوئے در در کی خاک بھی چھانی

وعظ تو میں نے سُن لیا اب یہ مجھے بتائیے
آئیں اگر وہ سامنے ذوقِ نظر کو کیا کروں

دل کو بے فکری بھی ہو ساقی بھی ہو صہبا بھی ہو
چار دن کی زندگی میں ایک دن ایسا بھی ہو

آ گئی جب جان لب پر طے مسافت ہو چکی
لب ہمارا بحرِ ہستی کا کنارا ہو گیا

ایک تو یہ نازکی اور اس پر اتنا بارِ حُسن
عاشقوں میں بیٹھ کر شکوہ کرو تقدیر کا

رباعیات

دنیا میں جسے کسبِ کمال آتا ہے
دولت ہی سے قدر و منزلت پاتا ہے
زر دار کے عیب میں بھی ہے حسنِ قبول
بے زر کا ہنر بھی عیب ہو جاتا ہے

تقدیر جب آبِ زر سے مُنہ دھوتی ہے
آلودہ وہ گردِ غم سے کب ہوتی ہے
زر دار کے گھر میں رنج و غم ہنستے ہیں
نادار کی دنیا میں خوشی روتی ہے

مشکل تجھے کہتی ہے بس اب کام نہ کر
مقصد تجھے کہتا ہے کہ آرام نہ کر
اُٹھ باندھ لے ہمّت کی کمر اے ناداں
آغاز کو شرمندۂ انجام نہ کر

ہر غنچہ نے ہر پھُول نے کِھلنا سیکھا
ہر زخم نے ہر چاک نے سِلنا سیکھا
ہم کو بھی ضرورت تھی کہ مِلنا سیکھیں
مِلنے کی جگہ ہم نے نہ مِلنا سیکھا

ہر ایک کے دل میں کبرِ ہستی دیکھا
ہر ایک کے سر میں شورِ مستی دیکھا
پائی نہ کہیں خدا پرستی ہم نے
ہر چیز میں رنگِ خود پرستی دیکھا

وہ حرف ہوں ابجد میں جو مرقوم نہیں
وہ لفظ ہوں جس کا کوئی مفہوم نہیں
اس پر بھی کہا سب نے کہ تم شاعر ہو
افسوس کہ یہ بھی مجھے معلوم نہیں

آرام کو پابستۂ آلام نہ کر
راحت کو اسیرِ ہوسِ خام نہ کر
ہر سمت سے انگلیاں اُٹھیں گی مجھ پر
اے نام کی خواہش مجھے بدنام نہ کر

قبضے میں کلیدِ گنجِ قاروں نہ سہی
تاجِ سرِ کاؤس و فریدوں نہ سہی
اے بحرِ کرم کچھ تو عطا کر مجھ کو
قطرہ ہی سہی فرات و جیحوں نہ سہی

چند قطعاتِ تاریخ

(تاریخ وفات شہنشاہ جارج پنجم دام خلدہٗ)

نہیں جارج پنجم بھی دنیا میں آج — قضا نے یہ ڈھایا ہے کیسا ستم
ہوئی اِس قدر بزمِ عالم اداس — کہ ہستی بھی اب ہے جوابِ عدم
کوئی آنکھ اشکوں سے خالی نہیں — جسے دیکھئے ہے وہی پُر الم
تحمل کی حد بھی ہے آخر کوئی — کمر توڑ دی تو نے اے کوہِ غم
کہو جوشؔ تم بھی یہ سالِ رحیل — وفاتِ شہنشاہِ گیتی حشم
۱۹۳۶ء

(تاریخ تعمیر مکان مولوی سید محمد حنیف صاحب سید نکودری)

ہو چکا تعمیر سید کا مکاں — شکل و صورت میں بہت مرغوب ہے
دُور کیوں جاؤ تلاشِ سال میں — جوشؔ تم لکھ دو (عمارت خوب ہے)
۱۹۳۴ء

(تاریخ اشاعت جوبلی نمبر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور)

جُبلی نمبر ہے یا ہے بادِ بہار
کھل گیا جس سے باغِ علم و ادب

رفعتِ پایۂ مضامیں سے
ہے فلک پر دماغِ علم و ادب

سالِ تاریخ بھی ہے نورانی
اب ہے روشن چراغِ علم و ادب

سنہ ۱۹۳۱ء

(عید کی مبارکباد پر قطعہ تاریخ)

مبارکباد ایں عیدِ مبارک خان صاحب را
چہ ہنگامِ طرب آمد چہ دورِ انبساط آمد

عجب معجز نما روحِ مسرّت شد بہ قالب ہا
صبا را از گُلِ تصویر بُوے اختلاط آمد

چہ مشکل بود روزہ داشتن در فصلِ تابستاں
ہلالِ عید ہم کز خدّ تیش در انحطاط آمد

پس از افطار حالِ تشنگاں از من چہ مے پُرسی
فراتِ آشامیِ صائم نہ شب ہا بر سماط آمد

کنوں چنداںکہ خواہی بادۂ عشرت بہ ساغر کش
نہ واجب احتراز آمد نہ لازم احتیاط آمد

پئے تاریخِ عید اے جوشؔ من گفتم بہ منقوطہ
نویدِ خرّمی و مژدۂ عیش و نشاط آمد

سنہ ۱۳۳۷ھ

(قطعہ تاریخ طبع کتاب گلدستۂ شاد مصنفہ لالہ رونق رام صاحب شاد بھدروڑی)

دیکھئے پڑھئے کلامِ شاد کو　　کس قدر اچھا ہے کتنا خوب ہے
اس کا انداز اس کی طرز اس کی ادا　　شوقِ طالب کے لئے مطلوب ہے
حسنِ معنی اور یہ رنگِ قبول　　شعر ہے یا کوچۂ محبوب ہے
مصرعِ تاریخ یہ سوجھا مجھے　　جو کہا وہ خوب ہے مرغوب ہے

سنہ ۱۹۳۲ء

(تاریخ طبع دیوان جوہر مصنفہ جناب پروفیسر نارائن پرشاد صاحب جوہر مدظلہ)

حضرتِ جوہر نے دیوان چھپا کر اپنا　　مشرقِ شعر میں تنویر دکھائی کیا کیا
بزم ہے سوزِ محبت کے بیاں سے مسحور　　پردۂ ساز میں کی نغمہ سرائی کیا کیا
کوئی دیکھے تو بہارِ چمنستانِ سخن　　گلِ صد رنگ کی ہے جلوہ نمائی کیا کیا
لعل و یاقوت سے بہتر ہیں مضامینِ غزل　　ڈھونڈ لائی ہے طبیعت کی رسائی کیا کیا
جوشؔ یہ مصرعِ تاریخ سنا دو تم بھی　　حسنِ معنی کی تجلی نظر آئی کیا کیا

سمت ۱۹۹۴ بکرمی

خمریات

فانی ہی سہی یہ عمر باقی نہ سہی
پینے کی ہوس بھی خوش مذاقی نہ سہی
تم گردنِ مینا کو جھکا دو سرِ جام
محفل میں اگر نہیں ہے ساقی نہ سہی

ہم جانتے ہیں کہ پارسائی کیا ہے
اس کے لئے وجہِ لب کُشائی کیا ہے
پی جائیں جسے نام خدا کا لیکر
اُس جامِ شراب میں برائی کیا ہے

کیا خوب کہی کہ بادہ نوشی نہ کرو
خواہش کبھی ساغر و سبو کی نہ کرو
یہ وعظ تو موزوں ہے کسی حُجرے میں
میخانے کو شرمندۂ معنی نہ کرو

جائز ہے کہ مے کو آتشِ تر کہیئے
واجب ہے کہ پگھلا ہُوا جوہر کہیئے
لاتی ہے مگر یہ آسمانوں کی خبر
اس پر ہو یقین تو پیمبر کہیئے

قند پارسی

اے خوشا وقتے کہ یادِ آں رُخِ انور کنم
کیفِ خود را بے نیازِ شیشہ و ساغر کنم

در خرابی ہا نگنجد فطرتِ آزادِ من
تا کجا دل را اسیرِ خانۂ بے در کنم

اعتبارِ من بہ ایں عصیاں شعاری درنگر
رحمتش لَا تَقْنَطُوْ گوید چو دامن تر کنم

پائے رفتن ہم نمے دارم بہ بازی گاہِ عشق
من کہ ہر نردِ بساطِ دہر را ششدر کنم

گردشِ بخت پس گردشِ جام است اینجا
خندہ کن صبح بہ ہر صحبتِ شام است اینجا

منظرِ قصرِ جمالش چہ تجلی دارد
برقِ صد طور فقط جلوۂ بام است اینجا

اثرِ شوقِ کلیم آنچہ تو گفتی ہمہ راست
لن ترانی چہ کلامے است کلام است اینجا

بگزرم از سرِ جامے کہ حلال است آنجا
خواہم آں شربِ مدامے کہ حرام است اینجا

زندہ دلی

اُن کو شوقِ تن تنا تن تن تنات　　مُجھ کو ذوقِ فاعلاتن فاعلات

بنگلہ ہی نہیں گور بھی انساں کے لئے ہے　　یہ مٹیا محل بھی اسی جہاں کے لئے ہے

شعر خوانی ہم نوائے چنگ ہے　　داد لینے کا یہ اچھا ڈھنگ ہے
اہلِ مغرب کے قریب آباد ہیں　　صلح کا چرچا پیامِ جنگ ہے
آپ گورے ہیں تو ہم کالے سہی　　عیب کیا ہے اپنا اپنا رنگ ہے

دل لیکے کہتے ہیں کہ نوشت اس کی دیجئے　　ایسا نہ ہو کہ بعد میں جھگڑا کرے کوئی

متروکات

۱۔ رقیب۔ بوسہ۔ وصل۔ زلف۔ کمر۔ ابرو۔ انگیا۔ دوپٹہ۔ چوڑیاں۔ گھنگرو۔ جوبن۔ جُوڑا کھولنا۔ بال کھولنا۔ رونا پیٹنا۔ میّت اور جنازہ کے مضامین ترک کئے گئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ زمانہ حال کا مذاقِ سخن ان مضامین کو ناگوارِ خاطر سمجھتا ہے۔

۲۔ یاں۔ واں۔ پر بہ معنی مگر۔ پہ بہ معنی لیکن۔ مگر بہ معنی شاید۔ ولے بہ معنی لیکن۔ ولیکن۔ تلک۔ مت حرفِ نفی۔ گر حرفِ شرط۔ تب حرفِ جزا۔ گرچہ بجائے اگرچہ۔ وہ ہی (بجائے وہی) فصحائے حال کے روزمرّہ سے خارج ہیں۔ کوئی نہیں کہتا کہ واں کب جاؤ گے۔ یاں کب آؤ گے۔ سب یہی کہتے ہیں۔ کہ وہاں کب جاؤ گے۔ یہاں کب آؤ گے۔ اس لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے۔

۳۔ اور (حرفِ عطف) فع کے وزن پر۔

۴۔ فارسی اور عربی الفاظ میں تخفیف حروفِ علت۔ مثلاً بینا کا الف۔ پہلو کی واؤ۔ زندگی کی ی۔

۵۔ پسِ مُردن۔ پس از مُردن۔ بعد از مُردن۔ پس از فنا۔ بعد از فنا۔ پس از مرگ۔ بعد از مرگ۔ تابِ شنیدن۔ تاب گفتن۔ بسکہ۔ اے کہ۔ کاشکے۔ تا بہ معنی جب تک۔ نے بہ معنی نہیں فارسیت کے خیال سے ترک کئے گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ پسِ مرگ۔ بعد مرگ۔ بعد فنا وغیرہ الفاظ فصیح سمجھے گئے ہیں۔

۶۔ لیجئے۔ کیجئے۔ دیجئے وغیرہ کی جگہ لیجو۔ کیجو۔ دیجو اور لیجے۔ کیجے۔ دیجے وغیرہ ترک کئے گئے ہیں۔

اسیرِ حرص نہ ہو کیوں حریصِ طولِ امل
وہ چاہتا ہے کہ رسّی دراز رہے

کمیٹی کی پرچی سلامت رہے
غریبوں کا یہ آسرا ہو گئی

تپش دل میں ہے آہِ سرد کے ساتھ
مہینا جُون کا ہے جنوری میں

روز کے ملنے میں یہ ڈر ہے انہیں
دلبری نوکری نہ ہو جائے

راہِ عدم میں چور ہی اتنا کرم کرے
چُپکے سے لے اُڑے مری گٹھڑی گناہ کی

لب پہ توبہ ہاتھ میں جامِ شراب
رندئِ اربابِ تقویٰ دیکھئے

وہ اگر کچھ مسکرایا بھی تو یہ کیوں ہنس دیا
طفلِ غنچہ سے زیادہ ہے لڑکپن پھول میں

محشر میں سُن رہا ہوں صدا واہ واہ کی
یارب ملی یہ داد مجھے کس گناہ کی

بڑھیں عاشقوں کی وہ ارزانیاں
محبت کا سودا گراں ہوگیا

پرتگالی کا میں دلدادہ نہیں اے ساقی
انڈیا میڈ اگر ہے تو دکھا کونسی ہے

لطف جب ہے کہ برابر کا ہو پینے والا
کوری مٹی کے پیالے میں پلادے ساقی

جو اور مدعا ہو وہ کہئے جنابِ شیخ
یہ چھوڑ دیجئے کی صدا چھوڑ دیجئے

پہلا سا اب وہ حُسنِ تکلّم نہیں رہا
ہر روز بھانت بھانت کی سُنتے ہیں بولیاں
عریاں کیا ہے شاہدِ مضموں کے جسم کو
مسکی ہوئی ہیں آج حسینوں کی چولیاں
اے وائے شاعری کہ تخلص مسیح ہے
لیکن جو شعر ہیں وہ مریضوں کی ڈولیاں

یقیں اے دل نہ کر تو حضرتِ واعظ کی باتوں کا
یہ لمبی ڈاڑھیوں والے بڑے عیار ہوتے ہیں
وہ شست باندھ کے کہتے ہیں لیجئے حضرت
یہ تیر آپ کلیجے کے پار دیکھیں گے

پہلی ہی ضربِ آہ سے چکرا گیا فلک
سچ ہے کہ سَو سُنار کی اور اک لُہار کی

اے شیخ گو نہیں ہیں کوئی ذی شعور ہم
اتنا تو جانتے ہیں کہ تم بے شعور ہو

زمانہ حال کے برہمنوں کا ذکرِ خیر

بڑے شکی بڑے وہمی پھر اس پر یہ قیامت ہے،
نہ ہاری ماننے والے نہ جیتی ماننے والے

کوئی رازِ خفی پنہاں نہ تھا جن کی نگاہوں سے
وہی اب اونٹ کو بھیڑوں میں ہیں پہچاننے والے

فراخی میں خدا جانے کہاں تک پاؤں پھیلاتے
جو اتنی تنگ حالی میں ہیں ملبی تاننے والے

بنا لیتے ہیں صافی اپنی دستارِ فضیلت کو
بہم مل بیٹھتے ہیں جب یہ گاڑھی چھاننے والے

عدل یہ تھا حُسن والوں سے بھی ہوتی باز پرس
کیوں فرشتوں کو اسیرِ چاہِ بابل کر دیا

ملیں دشمن کو بھی برابر کی،
گالیوں میں بھی کچھ مزا نہ ملا

نمازِ صبح سے پہلے نہ کی تدبیر حُقّے کی
تمہارے گھر میں فریاد کی یہی تقدیر حقّے کی

وہ مدح کی کہ سنتے ہی قاصد ہوا ہُوا
ہم نے اُڑا اُڑا کے کبوتر بنا دیا

اے کاش اُس کو مجھ کو باہم گلے ملا دیں
دو آدمی یہاں کے دو آدمی وہاں کے

توند کی تعریف میں

خالقِ خلق نے پرکار کو گز بھر کھولا
دائرہ کھینچ دیا ناف کا نقطہ لے کر
گز بھی بیکار رہا بازوئے خیاط کے ساتھ
ناپئے آپ ہی حضرت اسے رسّا لے کر
ڈوب جانے کا جنہیں خوف ہے گردابوں میں
مشک پہ تیرتے ہیں نام وہ اس کا لے کر
رستہ مرگھٹ کا تو ہے اور طرف کو ہے آج جوش
یہ کدھر جاتی ہے صحت کا جنازہ لے کر

تم اب تو جوشِ سیہ کاریوں سے باز آؤ　　تمہاری ڈاڑھی ہیں حضرت سفید بال آئے

غیر کی تصویر پر کہتے نہیں اشعار ہم　　بے زباں پر کیا کریں تیغِ زباں کا وار ہم

دوبارہ وہی بات کیوں پوچھتے ہو　　اگر تم کو ثقلِ سماعت نہیں ہے

تاریخ جشن تاجپوشی شہنشاہِ جارج ششم دام اقبالہٗ

زمانے میں ہے تاجپوشی کی دھوم　　مبارک سلامت میں شامل ہیں سب

پئے سال تینوں ہوئے متحد　　مسرت۔ خوشی اور کیفِ طرب

۷۰۰ + ۹۱۶ + ۳۲۱ = ۱۹۳۷ء

حالیات

بحثِ مذہب کا نتیجہ کچھ نہیں ۔۔۔ حُجتِ صغرےٰ و کبرےٰ کے سوا

تقریر جاہلوں میں اثر خیز چاہیئے ۔۔۔ نخچیر سخت جاں ہے چُھری تیز چاہیئے

ہر ایک جواں پیر نظر آتا ہے ۔۔۔ سہما ہُوا نخچیر نظر آتا ہے
اس پر بھی زن و مرد ہیں آئینہ بدست ۔۔۔ کیا عالمِ تصویر نظر آتا ہے

اب ناچنے گانے میں برائی نہ رہی ۔۔۔ عریانیٔ تن پہ جگ ہنسائی نہ رہی
آوارگیٔ طبع سے نفرت تو کجا ۔۔۔ ظاہر کی بھی انگشت نمائی نہ رہی

اے دل ترا نالہ بھی کہیں جرم نہ ہو جائے
خاموش ہو کم بخت زمانے کی ہوا دیکھ

ہاتھ سے کاسہ گدائی کا نہ چھوٹا ایک دن
اور منہ سے تاجِ شاہی کے ہیں دعویدار ہم

دید کے قابل ہیں اہلِ ہند بھی
ان کی بدحالی کا نقشہ دیکھئے

آئیے ہر نوجواں کے دوش پر
تندرستی کا جنازہ دیکھئے

ہر جگہ تقریر میں تحریر میں
ہندی و اُردو کا جھگڑا دیکھئے

دشمنی کی آگ سب کے دل میں ہے
سوزِ پنہاں کا یہ جلوہ دیکھئے

دیکھے ہونگے باغ میں اہلِ جنوں
اب خرد کو سر بہ صحرا دیکھئے

دشمنوں کی دشمنی کا ذکر کیا
دوستوں کے جورِ بے جا دیکھئے

پیر مَردوں کو کفن بردوش ہو جانا پڑا
آئینے میں اپنی صورت نوجواں دیکھا کئے

منحصر قوتِ بازو پہ ہے دولتمندی
دیکھ لو زور میں موجود ہے زر ۲/۳

ملک الموت سے دنیا میں ہراساں نہیں کون
جس کو کہتے ہیں نڈر اُس میں ہے ڈر ۲/۳

ظالمو خوف کرو آہ کو سمجھو نہ حقیر،
لفظِ اللہ میں ہے اس کا اثر ۲/۳

کھوٹی منزل کیے دیتی ہے تو اُسے شامِ شباب
راہرو کا ابھی باقی ہے سفر ۲/۳

آج کل گرمی کی ہے رفتار گرم
ہر طرف ہے حشر کا بازار گرم

جل گیا جی شعلۂ آواز سے
مولوی صاحب کی ہے گفتار گرم

آتا ہے کھچ کھچ کے خلقت کا ہجوم
برف والوں کا ہوا بازار گرم

دوستوں کی سرد مہری دیکھ کر
اشک نکلے آنکھ سے دو چار گرم

ٹھنڈی آہیں تھیں کچھ آتش نہ تھیں — آپ اتنے کیوں ہوئے سرگرم
سر میں سودائے دوئی دل میں بخار — ہے مزاجِ کافر و دیندار گرم

کسی کی مصیبت میں اُلجھیں تو کیونکر — کہ اپنے ہی جھگڑوں سے فرصت نہیں ہے

اخلاقیات

کیجئے شاخِ ثمرور کی تلاش — تا بہ کے سرو و صنوبر کی تلاش
سیکھ لے کوئی ہنر اے بے ہنر — عیب کو بھی ہے ہنرور کی تلاش

زندۂ جاوید ہونے کے لئے — نفسِ امّارہ کو مارا چاہیئے

۷ - بتا۔سکھا۔بٹھا وغیرہ کی جگہ تبلا۔سکھلا۔بٹھلا۔ دکھلا وغیرہ (لام زائد) آکر کی جگہ آن کر بھی اسی قبیل سے ہے

۸ - آتا ہے - جاتا ہے وغیرہ کی جگہ آئے ہے - جائے ہے وغیرہ

۹ - آئے - جائے - کھائے وغیرہ کی جگہ آوے - جاوے - کھاوے وغیرہ

۱۰ - رکھا - چکھا بغیر تشدید خلافِ فصاحت سمجھے گئے -

۱۱ - اسم کے آخر میں الف ندا مثلاً ناصحا - دلا - زاہدا - واعظا وغیرہ مثلاً ؏

گھر بناؤں خاک اس وحشت کدے میں ناصحا

اس پابندی میں دو لفظ مستثنیٰ سمجھے گئے ہیں - خدایا اور ساقیا - وجہ یہ ہے - کہ بعض محل ایسے بھی ہیں کہ وہاں اس کے سوا چارہ نہیں مثلاً ؏

(ا) نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

(ب) ساقیا مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں

۱۲ - فعل کے الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور ان میں فاصلہ - مثلاً آتا ہے کی جگہ ہے آتا ؏

(ا) وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اُٹھاتے

(ب) ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹُوٹ

دیکھ لیا کی جگہ لیا دیکھ اور چھوڑ گیا کی جگہ گیا چھوڑ وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہیں -

۱۳ - چاہت - چاہ ہندی الاصل ہے - اس کے ساتھ تے مصدری نہیں لگائی جا سکتی -

۱۴ - اُلفت اور محبّت یا عسکر اور لشکر کے قوافی ایک مطلع میں - وجہ یہ کہ ہم معنی ہیں -

۱۵ - پاؤں - گاؤں فعلُن کے وزن پر مثلاً ؏

دار پر چڑھ کر کہا منصور نے
راستی شیوہ ہمارا چاہیئے

ڈوبنے والوں کو کشتی کیا ضرور
ان کو تنکے کا سہارا چاہیئے

بے بصر بے دست بے دل بے زباں
کچھ تو ان چاروں کا چارا چاہیئے

برق کی چشمک کو اے مغرور دیکھ
عقلمندوں کو اشارا چاہیئے

کھیل ہیں ضائع نہ کر عمرِ عزیز
بازیٔ طفلاں کو ہارا چاہیئے

چند مطلعے

دل ڈوب بھی جائیگا تو چارا نہ کرینگے
دریائے محبّت سے کنارا نہ کرینگے

اُلفت کی خامیوں کا یہ سارا فتور تھا
میرا قصور تھا نہ تمہارا قصور تھا

سرِ بُریدہ سے بھی عرضِ حال کرتے ہیں
یہ کشتگانِ محبت کمال کرتے ہیں

کیا تجھ سے کہوں دیکھنے والے کہ تو کیا دیکھ
آنکھیں ہیں تو مظلومیِ اربابِ وفا دیکھ

مجھ سے میرے شوقِ اُلفت کا گلہ ہونے لگا
آج کیا کرنے لگے تم آج کیا ہونے لگا

عقل سے کیا پوچھتا آفت کو سر پر دیکھ کر
وہ تو خود چکرا گئی قسمت کا چکّر دیکھ کر

جُستجو سے عقلِ انساں اور سودائی ہوئی
ہر شناسائی سے پیدا ناشناسائی ہوئی

ہم نے زمینِ شعر کو زرخیز کر دیا
جو نخل بو دیا وہی گلریز کر دیا

بلائیں آ کے لیں اُن کی بلائیں سر سے پاؤں تک

ان الفاظ کو فاع کے وزن پر لانا روزمرہ کے مطابق ہے۔ مثلاً ؏

آبِ گہر میں ڈوب گیا سر سے پاؤں تک

۱۶ - ترکیبی صورت میں ہائے مختفی کو قافیہ میں الف بنا دینا۔ مثلاً ؏

(ا) سرگرم تجلی ہوا ے جلوۂ جانانا

(ب) جب پڑی بے غسل یوں ہی لاشِ پروانا ہے

قافیہ میں یا کسی اور جگہ ہائے مختفی ترکیبی صورت میں آئے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہائے مختفی پہلے لفظ کے ساتھ ہو۔ مثلاً جلوہ نما۔ دوسری صورت یہ کہ دوسرے لفظ کے آخر میں ہو۔ مثلاً عمرِ رفتہ۔ پہلی صورت میں ہائے مختفی کو الف بنانا خواہ قافیہ میں خواہ کسی اور جگہ۔ سراسر قابلِ ترک سمجھا گیا ہے۔ مثلاً ؏

تم ہوئے ہو جس جگہ جلوا افگن

دوسری صورت صرف قافیہ میں الف بنا دینے کے لئے معیوب سمجھی گئی ہے۔ اور جگہ نہیں مثلاً ؏

عمرِ رفتا پھر مری زیرِ مزار آنے کو تھی (داغ)

۱۷ - ترکیبی صورت میں آخری نون کا اعلان۔ خواہ یہ نون قافیہ میں ہو۔ خواہ کسی اور جگہ۔ مثلاً ؏

(ا) جھوٹ ہی جانو کلام اس رہزنِ ایمان کا

(ب) ہم بھی دل میں حسرت دارمان لے کر جائینگے

۱۸ - جو الفاظ اردو میں ہمیشہ اعلانِ نون سے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً خون۔ جان وغیرہ ان میں

بغیر ترکیب فارسی نون کا اعلان نہ کرنا۔ مثلاً ع

(ا) اب جاں بھی نہیں ہے میرے تن میں

(ب) اے ہوس خوں رو کہ اب تیرا گزارہ ہو چکا

نوٹ :۔ مری جاں بہ اخفائے نون بھی اسی قبیل سے ہے۔

۱۹ - دمِ ذبح یا وقتِ ذبح کی جگہ دمِ بسمل۔ وقتِ بسمل۔ وجہ یہ کہ بسمل بہ معنی مذبوح ہے

۲۰ - سدا۔ نت۔ بل بے۔

۲۱ - بھانا (پسند آنا) اور اس کے تمام افعال مثلاً بھائی ہے (پسند آئی ہے)

۲۲ - کرانا۔ دھروانا کے مصادر اور ان کے افعال (موجبِ ذم ہیں)

۲۳ - یار۔ نگار (بہ معنی محبوب) بغیر ترکیب فارسی مثلاً ع

(ا) مجھے صاف بتائے نگار اگر

(ب) یار بھی مجھ پہ مہرباں نہ رہا

۲۴ - کیونکر کا ایسا استعمال کہ اس کی جگہ کیوں استعمال کیا جا سکے۔

۲۵ - گھائل بہ فتحِ ثالث۔ اس کا قافیہ بسمل اور منزل کے ساتھ۔

۲۶ - میّت بہ کسرِ ثانی ہے۔ اس کا قافیہ دولت وغیرہ کے ساتھ۔

۲۷ - ایطائے جلی و خفی۔ مثلاً شاعری و زندگی۔ لگایا اور بجھایا۔ تاباں و رقصاں۔ دیکھو اور بیٹھو۔ سنو اور چلو۔ مہربانی اور مرزبانی وغیرہ کو ہم قافیہ بنانا۔

۲۸ - اِس طرح۔ کس طرح۔ قاتل کی طرح وغیرہ الفاظ میں طرح کو۔ اور طرف بہ معنی سمت کو بہ سکون ثانی لکھنا۔

۲۹- اس وقت - جس وقت کی جگہ اس دم - جس دم وغیرہ۔

۳۰- سوزِ دل اور سوزِ محبّت کو سوزشِ دل اور سوزشِ محبّت کہکر سوز و سوزش کو مترادف سمجھنا۔

۳۱- رہ بہ معنی راہ بے ترکیب فارسی۔ مثلاً ع نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

۳۲- پیدائش بہ معنی ولادت۔

۳۳- جاناں بے ترکیب فارسی مثلاً جاناں مرے مزار پہ آنا کبھی کبھی

۳۴- نشہ بر وزن فعلُن بے ترکیب فارسی۔

۳۵- صورت بہ معنی مانند بے ترکیب فارسی۔

۳۶- انتظاری بجائے انتظار۔

۳۷- مشکور بجائے ممنون و سپاس گزار۔

۳۸- پنھانا کی جگہ پہنانا اور نبا ھنا کی جگہ نبھانا۔

۳۹- داماں بے ترکیب فارسی۔

۴۰- تقابلِ ردیفین (مطلع کے سوا کسی اور شعر میں)

۴۱- جہاں منادے ابہم ہو۔ وہاں اُسے بغیر حرفِ ندا استعمال کرنا۔ مثلاً (دکھادے رُخِ روشن اپنا لبنت)

یعنی اے لبنت +

۴۲- شکستِ ناروا۔

نظمیاتؔ

دُعاء

عبُودیت پہ الٰہی مجھے بھی ناز رہے
جُھکا ہوا ترے در پر سرِ نیاز رہے
یہ آرزو ہے عطا کر مجھے وہ ذوقِ نظر
شہُود و غیب میں باقی نہ اِمتیاز رہے

بسنت

پھر نسیم جا بجا فرشِ گُل بچھا گئی　　پھر بہارِ پھول کو تخت پر بٹھا گئی
پھر نویدِ زندگی سب کو گُدگُدا گئی　　پھر ادائے دلبری معجزہ دکھا گئی

پھر بسنت کی ہَوا ہر چمن میں آ گئی

پھر ہُوا ہے خیمہ زن کاروانِ رنگ و بُو　　پھر کلی کے لب پہ ہے داستانِ رنگ و بُو
پھر زمینِ باغ ہے آسمانِ رنگ و بُو　　پھر ہے نخلِ طور پر آشیانِ رنگ و بُو

پھر بسنت کی ہَوا ہر چمن میں آ گئی

پھر مرے کریم نے گنجِ زر لُٹا دیا　　پھر چمن کے فرش کو عرش پر بٹھا دیا
پھر جہانِ آرزو دلربا بنا دیا　　پھر حریمِ ناز کو آئینہ دکھا دیا

پھر بسنت کی ہَوا ہر چمن میں آ گئی

پھر سُرور کی گھٹا چھا گئی ہے چار سُو ‏ ‏ پھر فضائے دہر میں دلکشی ہے چار سُو
پھر صدائے وَاشرُ بُو گونجتی ہے چار سُو ‏ ‏ پھر طرب ہے جا بجا پھر خوشی ہے چار سُو
پھر بسنت کی ہوا ہر چمن میں آ گئی

پھر خمارِ زندگی کیف میں بدل گیا ‏ ‏ پھر سُرورِ سرمدی جھومتا نکل گیا
پھر فسونِ فصلِ گُل میکشوں پہ چل گیا ‏ ‏ پھر عقیق دیکھئے بوتلوں میں ڈھل گیا
پھر بسنت کی ہوا ہر چمن میں آ گئی

معراجِ انسانی

اے بہارِ حسُن کے جویا کبھی جویا بھی ہو ‏ ‏ اُلفتِ گلہائے تر میں سُوکھ کر کانٹا بھی ہو
وسوسہ کوئی نہ رہ جائے دلِ پُرشوق میں ‏ ‏ شورشِ دریا بھی ہو خاموشیِ صحرا بھی ہو

حالاتِ مُصنّف

جنابِ ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعراء حضرت نوح ناروی کے قلم گوہر رقم سے

میرے خواجہ تاش جناب پنڈت لبھو رام صاحب جوشؔ قصبہ ملسیاں ضلع جالندھر (پنجاب) کے رہنے والے ہیں۔ آپکی پیدائش یکم فروری ۱۸۸۲ء کو ہوئی۔ ملسیاں وہی قصبہ ہے جس کا ذکر تزک بابری میں ملیسی کے نام سے آیا ہے جس فضا اور ماحول میں جوشؔ صاحب کی پیدائش اور پرورش اور جس صورت حالات کے ماتحت آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس کو دیکھ کر یہ بات بلا تصنّع اور بغیر کسی مبالغے کے کہی جا سکتی ہے۔ کہ آپ کا ایک لائق شاعر اور قابل ادیب ہونا بجز انعام الٰہی اور نعمتِ وہبی کے اور کسی چیز سے تشبیہہ نہیں دیا جاسکتا مثلاً آپکے وطن اور اس کے آس پاس مقامات میں آپ کے بزرگوں اور قصبہ مذکور کی تمام آبادی نیز آپکے ہم صحبت اور ہم جماعت طلبا میں ذوقِ شعر کے وجود کا تو کیا ذکر ہے کسی فردِ واحد کی شان بہ اعتبار علم و فن کوئی امتیازی رنگ لئے ہوئے نہ تھی۔ ان باتوں کے علاوہ آپ مشکل سے چودہ سال کے رہے ہونگے۔ کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ جنہوں نے کوئی خاص اثاثہ پرورش اور تعلیم کیلئے نہ چھوڑا تھا۔ اس لئے نہایت غریبی اور تنگدستی سے گزر بسر ہوتی تھی۔ اور سوائے خلاقِ عالم و رازقِ مطلق کے کوئی سہارا کسی طرف سے ایسا نظر نہ آتا تھا جس سے یہ امید کی جاسکتی کہ ایک ایسا یتیم مستقبل قریب ہی میں ایک ہونہار ذہین طالب علم ایک لائق قابل معلّم ایک ممتاز سر برآوردہ ادیب ایک مشہور اور اعلےٰ پائے کا شاعر ہوکر ایسے گمنام اور پست حال قصبہ کی سرزمین کو اپنے اوصاف و کمالات متعدد سے قابلِ فخر اور لائقِ رشک بنا دیگا۔

موج میں اپنی بہے جا انکسار و عجز سے
شان تیری اس میں ہے قطرہ بھی ہو دریا بھی ہو

پاک دامانی پہ لے گردِ غمِ اُلفت کے داغ
صحبتِ احباب میں اُجلا بھی رہ میلا بھی ہو

درد میں وہ حُسن پیدا کر کہ درماں ہو نثار
نالۂ مجنوں میں کچھ رعنائیِ لیلا بھی ہو

اشتیاقِ شاہدِ مقصد کا ہے یہ اقتضا
طالبِ صادق میں ہشیاری بھی ہو سودا بھی ہو

راستبازی کا شجاعت سے بھی ہے رتبہ بلند
اس میں کچھ رسوائیاں ہوتی ہیں تو رسوا بھی ہو

تو بہت قربانِ حسنِ ماسوا پر ہو چکا
اپنے حُسنِ انجمن افروز کا شیدا بھی ہو

منزلِ مقصود کا پانا تو کچھ مشکل نہیں
تو نے سرگرمی سے منزل کو کبھی ڈھونڈا بھی ہو

جسم کی تاب و تواں پر ناز کرنا چھوڑ دے
وارِ شمشیرِ حوادث کا اگر اوچھا بھی ہو

سعیِ پیہم میں مقدر کی کبھی پروا نہ کر
تیرے حق میں وہ بُرا ہو یا بھلا کیسا بھی ہو

عزمِ راسخ داری و پائے ترا معذور نیست
بر نصیبِ خویش نازاں شو کہ منزل دُور نیست

شانِ بہار

پھر ہُوا باغِ جہاں میں جمع سامانِ بہار
پھر در و دیوار سے پیدا ہوئی شانِ بہار

قدر دانی اس قدر کی دیکھ کر شانِ بہار
موتیوں سے بھر دیا شبنم نے دامانِ بہار

پتّے پتّے کو بہارِ حُسن پر دعوےٰ ہے آج
دیکھئے رہتا ہے کس کے ہاتھ میدانِ بہار

ہے یہی جوشِ نموئے گل اگر اے باغباں
شاخِ گُل پر بار ہو جائیگا احسانِ بہار

پڑھنے والوں کی نگاہیں گُل بداماں ہو گئیں
کیا خطِ گلزار میں لکھّا تھا فرمانِ بہار

روئے گُل کی آب ہے یا رب کہ اک دریائے حُسن
بُوئے گُل کی موج ہے یا رب کہ طوفانِ بہار

باغِ ایماں پر بہت ایمان والوں کو ہے ناز
آ کے دیکھیں تو بہارِ کافرستانِ بہار

حُسن کو نسبت ہے کچھ سودائے اُلفت سے ضرور
ہم نے اکثر چاک دیکھا ہے گریبانِ بہار

اس قدر برسا بہایا ہر طرف دریائے نُور
کر گیا سیراب دنیا بھر کو بارانِ بہار

فیض سے اُسکے فقط میرا وطن محروم ہے
کس جگہ اے جوشؔ ٹُوٹا عہد و پیمانِ بہار

ترا دیوانہ

صبوحی کش ہوائے ساغر و مینا میں رہتا ہے
فرشتہ نُور بن کر عالمِ بالا میں رہتا ہے
کوئی دوزخ میں کوئی جنت الماوا میں رہتا ہے
وہ گلشن ہی میں رہتا ہے نہ اب صحرا میں رہتا ہے
خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

نظر کے سامنے جو کچھ ہے اُسکو ماسوا سمجھے
حرم کو بتکدے کو وہ کسی کا نقشِ پا سمجھے
جسے ہم انتہا کہتے ہیں اسکو ابتدا سمجھے
کوئی یہ بھید کیا جانے کوئی یہ راز کیا سمجھے
خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

کبھی روتے ہوئے ہنگامۂ پُر جوش ہو جانا　　کبھی سازِ شکستہ کی طرح خاموش ہو جانا
کبھی بیگانۂ صورت سے بھی ہم آغوش ہو جانا　　کبھی اپنی نظر سے آپ ہی روپوش ہو جانا

خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

ہمیشہ خندہ زن ہے عقل و حکمت پر جنوں اسکا　　کوئی خُمِ خانۂ معنی ہے جامِ واژگوں اسکا
زمانے بھر میں ہلچل ڈالنے والا سکوں اسکا　　لگا دے آگ ہفت افلاک میں سوزِ دروں اسکا

خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

چمن کو شہر کو بستی کو ویرانہ سمجھ لینا　　بیانِ جنت و دوزخ کو افسانہ سمجھ لینا
خوشی کی عیش کی محفل کو غم خانہ سمجھ لینا　　خرد سے ہوش سے دنیا کو بیگانہ سمجھ لینا

خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

ہمیشہ اُسکی چشمِ تر کے آنسو مسکراتے ہیں　　ہمیشہ اس کے نالے نغمۂ شیریں سناتے ہیں
ہمیشہ اسکے تقوے کی قسم میخوار کھاتے ہیں　　ہمیشہ اُسکی پُر نوشی سے نائب فیض پاتے ہیں

خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

جہانِ رنگ و بُو کو دخل کیا اسکی طبیعت میں
جگہ باقی نہیں جنّت بھی اسکے باغِ فطرت میں
نیا سودائی شورش ہے اسکے جوش الفت میں
وہ اِس دنیا کی حسرت میں اُس دنیا کی حسرت میں

خدا جانے ترا دیوانہ کس دنیا میں رہتا ہے

انقلابِ زمانہ

کہاں یہ دن کہ حسنِ خود نما ہے ننگِ عریانی
کہاں وہ دن کہ عشقِ جاں گزا بھی دل میں پنہاں تھا
کہاں یہ دن کہ ظاہر رنگِ باطن کو چھپاتا ہے
کہاں وہ دن کہ باطن رنگِ ظاہر سے نمایاں تھا

کہاں یہ دن کہ صدہا خار ہیں ہر گُل کے دامن میں
کہاں وہ دن کہ ہر کانٹا چمن کا گُل بداماں تھا

کہاں یہ دن کہ جینے کو ہے خوابِ مرگ کی حسرت
کہاں وہ دن کہ خوابِ مرگ کو جینے کا ارماں تھا

انجامِ بہار

لُطفِ صُحبت حسرتِ دیدار بنکر رہ گیا
ہر تبسّم آہِ آتش بار بن کر رہ گیا

دل میں جو ارمان تھا آزار بن کر رہ گیا
پھُول جو پھُولا چمن میں خار بنکر رہ گیا

کیا اسی دن کیلئے فصلِ بہار آنے کو تھی[۱]

انقلابِ آسماں ہے گردشِ ایام ہے
اب نہ ساقی ہے نہ محفل ہے نہ دَورِ جام ہے

---

[۱] یہ مصرع جنابِ دلؔ شاہجہانپوری کا ہے جسے بطور ترجیع استعمال کیا گیا۔

کیا تمنّائے مسّرت اک خیالِ خام ہے　　کیا جہانِ رنگ وبُو اُجڑے چمن کا نام ہے

کیا اسی دن کیلئے فصلِ بہار آنے کو تھی

کیا سرورِ کامرانی کا یہی انجام تھا　　کیا وفورِ شادمانی کا یہی انجام تھا

کیا نویدِ نوجوانی کا یہی انجام تھا　　کیا اُمیدِ زندگانی کا یہی انجام تھا

کیا اسی دن کیلئے فصلِ بہار آنے کو تھی

کیا الم انجام دیکھا ہم نے آغازِ طرب　　آہ بن کر رہ گئی ہر ایک آوازِ طرب

اب نہ وہ نغمے مسّرت کے نہ وہ سازِ طرب　　آسماں اتنا ہُوا کیوں لخنہ اندازِ طرب

کیا اِسی دن کیلئے فصلِ بہار آنے کو تھی

خاک اُڑاتی پھرتی ہے بادِ خزاں چاروں طرف　　چھا گئی ہیں باغ پر بربادیاں چاروں طرف

منتشر ہیں بُلبلوں کے اُستخواں چاروں طرف　　دیکھتی ہے آنکھ عبرت کے نشاں چاروں طرف

کیا اسی دن کیلئے فصلِ بہار آنے کو تھی

جوشِ طلب

فقیروں کی سُن لے صدا ساقیا
سخاوت کے جوہر دِکھا ساقیا

صراحی نہ ہم سے چھُپا ساقیا
پس و پیش کرتا ہے کیا ساقیا

لگی ہے جو دل میں بجھا ساقیا
پلا ساقیا کچھ پلا ساقیا

یہ دامانِ صحنِ چمن پُر نگار
یہ گُل ہائے تر کا رُخِ آبدار

یہ سبزہ یہ گلشن یہ فصلِ بہار
یہ مہوئے کا سایہ لبِ جوئبار

یہ ساون کی ٹھنڈی ہوا ساقیا
پلا ساقیا کچھ پلا ساقیا

خدا کے لئے بُخل اتنا نہ کر
رُکھائی کی باتیں زیادہ نہ کر

سخی ہے تو سائل سے جھگڑا نہ کر یہ شوخی یہ تکرارِ بے جا نہ کر
مسافر نوازی دکھا ساقیا
پلا ساقیا کچھ پلا ساقیا

زمانہ کوئی گُل کھِلانے کو ہے خزاں باغِ ہستی میں آنیکو ہے
قضا اپنا خنجر دکھانے کو ہے فلک ایک بجلی گرانے کو ہے
توقف نہیں اب روا ساقیا
پلا ساقیا کچھ پلا ساقیا

تکلّف کی رندوں کو عادت نہیں لوازم کی چنداں ضرورت نہیں
بجز مَے کسی شے کی حسرت نہیں ہمیں جامِ زرّیں کی حاجت نہیں
اِن آنکھوں کو ساغر بنا ساقیا
پلا ساقیا کچھ پلا ساقیا

شبابِ چمن کی تمنّا یہ ہے
نمودِ سحر کا تقاضا یہ ہے

بہارِ جوانی کا ایما یہ ہے
ہر اک موجِ مے کا اشارہ یہ ہے

فقیروں کی سُن لے صدا ساقیا
پلا ساقیا کچھ پلا ساقیا

عدمِ اتحاد

مل گئی سب خاک میں شانِ نشانِ اتحاد
آ رہا گویا زمیں پر آسمانِ اتحاد

جن کے پلّے میں رہی جنسِ گرانِ اتحاد
بیچتے پھرتے ہیں اب وہ استخوانِ اتحاد

ہم تجھے اے گرمیِ بازارِ عالم کیا کریں
دن دہاڑے لُٹ گئی اپنی دکانِ اتحاد

درد اُٹھتا ہے جگر میں اسکے ٹکڑے دیکھکر
تیر بن کر دل میں بیٹھی ہے کمانِ اتحاد

اگرچہ ہائی سکولوں میں بہ عہدہ اوّل مدرس فارسی رہنے کے سبب انگریزی کا سیکھنا اور حاصل کرلینا آپ کیلئے کوئی امر محال نہ تھا۔ لیکن کچھ تو زبان انگریزی کے قواعد اور ہجوں کی بے اصولی اور بے ترکیبی نے آپکے دل میں اس کی طرف سے ایک الجھن اور نفرت سی ڈال دی۔ اور کچھ مختلف آثار و علامات اور اثراتِ نحس و نتائجِ بد نے آپکے دل و دماغ میں یہ بات بدرجہ راسخ جما دی۔ کہ انگریزی زبان کا حاصل کرنا اپنے لئے راس نہ آئیگا۔ آپ نے کئی بار پڑھنے کی کوشش فرمائی۔ مگر ہر بار ایک آدھ کتاب پڑھکر چھوڑ دی۔ پہلی دفعہ تو "جج" (JUDGE) اور "سولجر" (SOLDIER) کی ہجوں سے جی بیزار ہو گیا۔ جج میں ڈی اور سولجر میں ڈی خدا جانے کس مصلحت سے ہے۔ دوسری مرتبہ پھر شوق ہوا۔ مگر "نائٹ" (KNIGHT) اور "ہاف" (HALF) اور "نو" (KNOW) وغیرہ وغیرہ کے تلفظ اور بے ربط ہجوں سے پریشان ہو کر رہ گئے۔ پھر تیسری بار احباب کی ترغیب و تحریص سے ایک ابتدائی کتاب شروع کی۔ تو نکودر میں جہاں اب آپ کا مستقل قیام ہے۔ طاعون پھیل گیا۔ چوتھی دفعہ کوشش کی۔ تو شہر میں انفلوئنزا نے حشر ڈھا دیا۔ یہ منحوس نتائج دیکھ کر کتاب پھینک دی اور اس کے بعد اب تک اس وہم میں مبتلا ہیں۔ کہ اگر پڑھنا شروع کیا۔ تو خدا جانے کیا قیامت نازل ہو۔ انہی وجوہ سے آپ نے انگریزی نہیں سیکھی اور اب سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو کر پیرانہ سالی میں یہ امید ہی نہیں ہو سکتی۔ کہ پھر کوئی کوشش کر سکیں۔

طبیعت اور مزاج بے حد سادگی پسند واقع ہوا ہے۔ صرف سفید پگڑی اور سفید قمیص اور سفید دھوتی وہ بھی بہت معمولی آپ پسند فرماتے ہیں۔ اور انہیں کو بیشتر استعمال کرتے ہیں۔ سردی کے موسم میں کمل اوڑھ لیا۔ بوٹ آج تک نہیں پہنا۔ جرابوں کے زیادہ سے زیادہ دو جوڑے جاڑے کیلئے کافی ہیں۔ گلوبند کو گلے کا پھندا اور کالر نکٹائی کو ایک قسم کی تہذیبی بدعت جانتے ہیں۔ ایک دفعہ جالندھر گزٹ کے ایڈیٹر نے آپکے دو تین انعامی اشعار شائع کرتے ہوئے آپ کو دیہاتی سادگی کی جیتی جاگتی تصویر لکھا تھا۔ ایسے ہی ایک بار

عالمِ مِہر و وفا میں شور ہے ماتم کا آج
آں جہانی ہو گیا شاید جہانِ اتحاد

دل کے ہر پردے میں ڈھونڈ آئی نگاہِ جستجو
نام کو بھی اب نہیں ملتا نشانِ اتحاد

منہ سے جو کہتے ہیں اُس پر خود عمل کرتے نہیں
دوستانِ ملک بھی ہیں دشمنانِ اتحاد

ہوائے بیدردی کہ ہم بر فاب خود پیتے رہے
پیاس سے نکلی رہی باہر زبانِ اتحاد

لنگرِ تدبیر سے کچھ کام لے اے ناخدا
لے اُڑی بادِ مخالف بادبانِ اتحاد

غریبوں کی دُنیا

کڑی دھوپ میں شامِ عشرت نہ ڈھونڈو
شبِ غم میں نورِ مسرّت نہ ڈھونڈو

جہنّم کی آنچوں میں جنّت نہ ڈھونڈو
نحوست کے گھر میں سعادت نہ ڈھونڈو

غریبوں کی دنیا میں راحت نہ ڈھونڈو
غریبوں کی دنیا میں راحت نہیں ہے

غریبوں کے گھر میں مسرت بھی غم ہے　　غریبوں کے دل میں خوشی بھی الم ہے
غریبوں کی گردن ہے تیغِ ستم ہے　　غریبوں کی ہستی عدم ہے عدم ہے

غریبوں کی دنیا میں راحت نہ ڈھونڈو
غریبوں کی دنیا میں راحت نہیں ہے

خطا ہو کسی کی خطا کار یہ ہیں　　قصور اور کا ہو گنہ گار یہ ہیں
شفا جن سے بھاگے وہ بیمار یہ ہیں　　نہیں جن کا چارہ وہ لاچار یہ ہیں

غریبوں کی دنیا میں راحت نہ ڈھونڈو
غریبوں کی دنیا میں راحت نہیں ہے

رہیں بند ان پر مروّت کی راہیں　　وفا کو نباہیں تو کیونکر نباہیں

ہمیشہ فلک پر ہیں اُن کی نگاہیں　　قیامت کے نالے قیامت کی آہیں

غریبوں کی دنیا میں راحت نہ ڈھونڈو
غریبوں کی دنیا میں راحت نہیں ہے

غریبوں کی حالت سنبھلتے نہ دیکھی　　قضا اُن کی بالیں سے ٹلتے نہ دیکھی
کبھی پھانس غم کی نکلتے نہ دیکھی　　کبھی نبض صحت سے چلتے نہ دیکھی

غریبوں کی دنیا میں راحت نہ ڈھونڈو
غریبوں کی دنیا میں راحت نہیں ہے

کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

ہم کو ساون کی گھٹائیں یاد ہیں　　باغ کی ٹھنڈی ہوائیں یاد ہیں

بادہ نوشوں کی صدائیں یاد ہیں	حُسن والوں کی ادائیں یاد ہیں
کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

عشرتِ بہرام سب کو یاد ہے	ساقیِ گلفام سب کو یاد ہے
اپنا اپنا جام سب کو یاد ہے	دختِ رز کا نام سب کو یاد ہے
کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

غیر کے الزام ہم کو یاد ہیں	دشمنوں کے نام ہمکو یاد ہیں
رنج غم آلام ہم کو یاد ہیں	عمر بھر کے کام ہمکو یاد ہیں
کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

دوستوں کی تر زبانی یاد ہے	دشمنوں کی بدگمانی یاد ہے
حُسن کی نامہربانی یاد ہے	عشق کی ساری کہانی یاد ہے
کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

وصل کے دلکش ترانے یاد ہیں　　ہجر کے خونیں فسانے یاد ہیں
عشق و اُلفت کے زمانے یاد ہیں　　تیرِ مژگاں کے نشانے یاد ہیں

کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

آگ پانی میں لگانا یاد ہے　　جھوٹ کو سچ کر دکھانا یاد ہے
سوتے فتنوں کو جگانا یاد ہے　　آسماں سر پر اُٹھانا یاد ہے

کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں

عالمِ عبرت

وہی چال اب تک ہے نبضِ سخن کی　　وہی عشق و اُلفت کی بیماریاں ہیں
وہی دورِ ساغر وہی بزمِ ساقی　　وہی چشمِ میگوں کی سرشاریاں ہیں

وہی ضعفِ تن ہے وہی ضعفِ دل ہے ۔۔۔ وہی کوہِ غم کی گراں باریاں ہیں
وہی بلبلیں ہیں وہی آشیانے ۔۔۔ وہی آتشِ گُل کی چنگاریاں ہیں
وہی عشق کو سرفروشی کا دعوےٰ ۔۔۔ وہی حُسن کی گرم بازاریاں ہیں
وہی بُت وہی اُن کی بیگانگی ہے ۔۔۔ وہی ہم وہی ناز برداریاں ہیں

اخباروں کے خاص نمبروں کی فرمائشوں سے تنگ آکر

ہر طرف سے یہ تقاضا ہر طرف سے یہ پکار ۔۔۔ بندہ پرور نظم بھیجو کرشن نمبر کیلئے
دید کے قابل ہے یہ ہنگامۂ جوشِ طلب ۔۔۔ کتنے میکش مر رہے ہیں ایک ساغر کیلئے
اتنی نظمیں اور وہ بھی ایک ہی عنوان پر ۔۔۔ سخت مشکل ہیں مصیبت ہیں سخنور کیلئے
کاش اتنا پوچھتا اِن مہربانوں سے کوئی ۔۔۔ خون کتنا چاہیئے اک مصرعۂ تر کیلئے

سچّی باتیں

دنیا میں کمینے کو شرافت نہیں ملتی
دولت بھی لُٹا دے تو یہ دولت نہیں ملتی

اک وہ ہیں کہ رہتے ہیں ہمیشہ خوش و خرّم
اک ہم ہیں کہ دم بھر جنہیں راحت نہیں ملتی

اعمال جب اچھّے ہوں تو کیا کچھ نہیں ملتا
عزّت نہیں ملتی کہ فضیلت نہیں ملتی

بہتات ہے ہر جنس کی بازارِ جہاں میں
لیکن نہیں ملتی تو مسرّت نہیں ملتی

ملتا نہیں مل بیٹھنے والوں کو مزا کچھ
جب تک کہ طبیعت سے طبیعت نہیں ملتی

اغیار کے پیغامِ محبّت کو کریں کیا!
آپس ہی کے جھگڑوں سے فراغت نہیں ملتی

آفات پہ آفات اُترتی ہیں فلک سے
کیا قہر ہے دم لینے کی مہلت نہیں ملتی

کیوں گھر سے چلے عرضِ ہنر کیلئے اے جوشؔ
اِس جنس کی بازار میں قیمت نہیں ملتی

ہولی

چمن چمن میں نویدِ بہار ہے ہولی
نزولِ رحمت پروردگار ہے ہولی

بہارِ رفتہ کی حسرت میں بیٹھنے والے
نظر اُٹھا کہ سراپا بہار ہے ہولی

ایک مکتوب

پنڈت دتشتہ پرشاد صاحب فدؔا کے اس خط کا جواب جو انہوں نے برہمن گزٹ کی قلمی اعانت کیلئے تحریر فرمایا

اے فدؔا لکھا خطِ فرحت نمط جو آپ نے
جی میں آتا ہے کہ اس خط پر فدا ہو جائیے

اک تہی دامن کو جانا آپ نے ابرِ کرم
اور یہ چاہا کہ ہم پر بھی کرم فرمائیے

قوم کے ماتم میں شاید آپکی خواہش یہ ہے
اک حبیبِ مدح گو سے مرثیہ لکھوائیے

قوم سمجھی تھی نہ سمجھی ہے نہ سمجھے گی کبھی
کس طرح سمجھاؤں اس کو یہ مجھے سمجھائیے

ایک تو خوابِ گراں اور اس پہ یہ گوشِ گراں
کونسی امید پر زنجیرِ در کھڑکائیے

بینوا کا گھر دکھا کر دل لگی کی آپ نے
کہدیا مجھ سے کہ دامانِ ہوس پھیلائیے

آج تو اک نظم لکھنے کے لئے تاکید ہے
کل کہیں گے آپ کچھ چندہ ہمیں بھجوائیے

یاد آتا ہے کسی کا بر محل مصرع مجھے
شعر اگر کہیئے تو روٹی کس کے گھر سے کھائیے

دہلی کی توصیف میں

دہلی کو زبانِ داغ پر ناز بھی ہے،
حاصل اُسے رہبری کا اعزاز بھی ہے

اب سائلؔ و بیخودؔ سے ملا اس کو شرف
دونوں کا سخن سحر بھی اعجاز بھی ہے

جہاں استاد جناب داغ مرحوم کی شان میں

نقش دل پر ہے بیانِ داغ کا
سکہ بیٹھا ہے زبانِ داغ کا

محوِ نظارہ نہ ہو کیوں چشمِ شوق
ہے نیا منظر جہانِ داغ کا

صبحِ محشر تک رہیگا پُر ضیا
ہر ستارہ آسمانِ داغ کا

سلور جوبلی ۱۹۳۵ء کی تقریب سعید

تجھے اے جارج پنجم جشنِ سلطانی مبارک ہو
یہ سلور جوبلی کی جلوہ سامانی مبارک ہو

ترے اقبال نے سارا جہاں تسخیر کر ڈالا
جہانگیری جہانداری جہانبانی مبارک ہو

اور خان بہادر سر عبدالقادر صاحب بھی جو کپورتھلہ کے سالانہ مشاعرے کی صدارت فرما رہے تھے آپ کے لباس اور وضع پر متحیر ہو کر فرمانے لگے۔ کہ اتنی سادگی اس رنگینی کلام سے کچھ بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ ماکولات و مشروبات میں بھی تکلف کو قطعی دخل نہیں۔ جو کچھ ملا۔ خدا کا شکر کر کے کھا پی لیا۔

آپ کو شطرنج کھیلنے کا شوق ہی نہیں بلکہ توبہ توبہ خبط ہے۔ پنجاب کے اکثر مشہور اور نامور شاطر صرف اسی کے سبب سے جانتے ہیں۔ بارہا یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک صبح سے دوسری صبح تک لگاتار کھیلتے ہی رہ گئے۔ اور اُٹھے بھی تو بوجہ مجبوری یہ کہکر کہ دُنیا اس انہماک کو دیکھ کر کیا کہیگی۔ شطرنج کے متعلق آپنے ایک بیاض بھی مرتب کی ہے۔ جس میں بہت سے مشکل مشکل نقشے حل کئے ہیں۔ شاعری پر بھی اس شوق کا خاص اثر موجود ہے۔ مثلاً آنسو کی زبان سے ایک جگہ یہ شعر فرماتے ہیں ؎

مجھ سے جاں باز کو غربت ہے بساطِ شطرنج — جو نہ پلٹے کبھی واپس وہ پیادا میں ہوں

جاں باز کے لفظ اور غربت کو بساطِ شطرنج کہنا قابلِ داد ہے۔ دوسرے مصرع کی تعریف بہ اعتبار معنی کیا کی جائے۔ شطرنج کا پیادہ آگے ہی بڑھتا ہے اور مُہروں کی طرح پیچھے نہیں ہٹتا۔

ایسے ہی ایک شعر اور یاد آ گیا ؎

سمجھتے خوب تھے ہم شاطرِ دوراں کی چالوں کو — مگر نقشہ پڑا ایسا کہ بازی ہار بیٹھے ہیں

اِن دونوں اشعار کے دیکھنے سے آپ کے اس شوق کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ علاوہ اور باتوں کے شاعری ایک ایسا فن ہے۔ جس کے لئے تمام دُنیا کی معلومات ہونی چاہیئے۔ استاد ذوق نے بھی کئی شعر شطرنج کے متعلق لکھے ہیں۔ اس موقعے پر میں تو یہی کہونگا۔ کہ آپ شاعری میں خاندان ذوق سے فیض یاب اور شطرنج میں جناب مومن دہلوی سے مستفیض ہوئے۔ کیونکہ ان کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

جشنِ تاجپوشی۔ مئی ۱۹۳۷ء

کیا دَورِ ظُہورِ شادمانی آیا
ہر آنکھ میں نورِ شادمانی آیا

اے جوش یہ کہہ رہا ہے سالِ تاریخ
پیغامِ سرورِ شادمانی آیا
۱۹۳۷ء

مُفلس کی عید

ایک مفلس عید کے دن رو کے یہ کہنے لگا
چارۂ دردِ فلاکت میں کروں تو کیا کروں

کون سنتا ہے یہاں فریادِ بے مقدور کی
اپنی قسمت کی شکایت میں کروں تو کیا کروں

آنکھ میں آنسو بھر آئے ہاتھ خالی دیکھ کر
عید کی خوشیو نمائش کنت میں کروں تو کیا کروں

جو مجھے دینا تھا وہ دفتر میں پہلے لکھ لیا
اے مرے رزاق حجّت میں کروں تو کیا کروں

ہائے یہ دریائے عشرت ہائے یہ موجِ نشاط
ڈوبی جاتی ہے طبیعت میں کروں تو کیا کروں

بارِ فاقہ سے ہوئی ایک ایک پل مجھ کو گراں
چار دن جینے کی حسرت میں کروں تو کیا کروں

گڑ گئی ہے پاؤں پر شرمِ تہیدستی سے آنکھ
روئے ساقی کی زیارت میں کروں تو کیا کروں

ایک تو قیدِ قفس اس پر یہ بے بال و پری
باغ تک اُڑنے کی ہمت میں کروں تو کیا کروں

ہاتھ میں پاتا نہیں کوڑی کفن کیواسطے
امتحانِ تیغِ اُلفت میں کروں تو کیا کروں

شورِ محشر سے بھی اُس کی آنکھ کھل سکتی نہیں
بختِ خوابیدہ کی منّت میں کروں تو کیا کروں

اک یہی جانِ حزیں۔صبر آزما درد آفریں
سوچتا ہوں شکرِ نعمت میں کروں تو کیا کروں

یہ وہ ہے دریائے غم جس کا کنارا ہی نہیں
ناخدا سے عرضِ حاجت میں کروں تو کیا کروں

بہرِ خواری بسکہ سرگرمِ تلاشم کردہ اند
پارۂ نزدیک در ہر دُور باشم کردہ اند
(غالبؔ)

برسات

اُٹھی ہیں حور بنکر برسات کی گھٹائیں
جنّت سے بھی ہیں بہتر برسات کی گھٹائیں
ہوتی ہیں روح پرور برسات کی گھٹائیں
تم بھی تو دیکھو اُٹھ کر برسات کی گھٹائیں

کیا جھومتی ہیں سر پر برسات کی گھٹائیں

ضبطِ نوا کے صدمے کب تک سہے پپیہا
میکش چہک رہے ہیں کیوں چپ رہے پپیہا
طوفانِ سوزِ غم میں اب کیوں بہے پپیہا
اب کیوں نہ مست ہو کر پی پی کہے پپیہا

برسا رہی ہیں ساغر برسات کی گھٹائیں

اک فیل تیز رَو ہے نیلم کی ہے عماری
چلتے ہیں اردلی میں دل بادلوں کے بھاری
لیکن کھلا نہ ہم پر یہ کس کی ہے سواری
کس برق وش کے رُخ کی کرتی ہیں پردہ داری

تانے ہوئے ہیں چادر برسات کی گھٹائیں

کس شان سے سجا ہے بزمِ طرب کا ساماں
اندر کا اک اکھاڑہ دنیا میں ہے نمایاں

حیرت سے پوچھتے ہیں عالم کے جنّ و انساں
سقفِ فلک کے نیچے یہ ناچتی ہیں پریاں

یا کاٹتی ہیں چکر برسات کی گھٹائیں

سینے میں دم تمہارے جلنے سے پھولتا ہے
اِس عذرِ ناز کی کو بندہ قبولتا ہے

لیکن اِدھر تو دیکھو دل غم کو بھولتا ہے
جھولے پہ شاخِ گُل کے ہر پھول جھولتا ہے

اَور[1] دیکھتا ہے ہنسکر برسات کی گھٹائیں

وطن

اِس سے بڑھ کر اور کیا مذکورِ شانِ وطن
عرشِ اعظم سے بھی کچھ اونچا ہے ایوانِ وطن

دم اگر نکلے تو نکلے زیرِ دامانِ وطن،
دوش پر بکھری رہے زلفِ پریشانِ وطن

[1] - بہت پرانی نظم ہے۔ اَب میں اس لفظ کو فع کے وزن پر نہیں لکھتا۔

رو رہی ہے شام سے شمعِ شبستانِ وطن
تو کہاں ہے او بہارِ صبحِ خندانِ وطن

لے اُڑی دل کو مرے زلفِ پریشانِ وطن
دیس ہیں پریوں کے جا پہنچا سلیمانِ وطن

کچھ نہ دیکھا ہمنے غربت میں بجز رنج و محن
لے چلیں کیا چیز یارانِ وطن کیواسطے

زندگی کی جان کہیئے اُس بشر کی زندگی
جسکا جینا جس کا مرنا ہے وطن کیواسطے

تماشا دیکھنے کو آگ خود گھر میں لگا لی ہے
مرے اہلِ وطن کی دیپ مالا کیا نرالی ہے
گُہر کے لعل کے یاقوت کے مالک ہزاروں ہیں
وطن کی آبرُو کا کوئی وارث ہے نہ والی ہے

آنسو

اشک کہتا ہے بتاؤ تو مجھے کیا میں ہوں — چیستاں ہوں نہ پہیلی نہ معمّا میں ہوں
سر بہ سر رنج و غم و یاس کی تصویریں ہیں — ہمہ تن حسرت و اندوہ و تمنّا میں ہوں
ہو گیا آگ سے پانی کا نکلنا ثابت — دل میں کچھ سوز ہو پیدا تو ہویدا میں ہوں
عہدِ طفلی میں ملا داغِ یتیمی مجھ کو — اپنی پھوٹی ہوئی تقدیر کو روتا میں ہوں
دل کے ڈوبے ہوئے ارمان ہیں لاکھوں مجھ میں — لوگ قطرہ جسے کہتے ہیں وہ دریا میں ہوں
آئینہ لوگ مجھے سمجھیں وہ حیران ہوں میں — آنکھ جس پر سے نہ اُٹھّے وہ تماشا میں ہوں
مجھ سے جاں باز کو غربت ہے بساطِ شطرنج — جو نہ پلٹے کبھی واپس وہ پیادا میں ہوں
شورِ فریاد و فغاں کیوں نہ مرے ساتھ رہے — آرزوئے دلِ مضطر کا جنازا میں ہوں
ہو گا دنیا میں نہ مجھ سا بھی کوئی تر دامن — اپنی ہی شرم و خجالت کا پسینا میں ہوں ؎[1]

؎[1] یہ اشعار طویل نظم کا صرف ۱/۵ حصہ ہیں۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

غزلیات

۱ے

بحث میں دونوں کو لطف آتا رہا
مجھ کو دل مَیں دل کو سمجھاتا رہا

اُنکی محفل میں دلِ پُر اضطراب
ایک شُعلہ تھا جو تھرّاتا رہا

موت کے دھوکے میں ہم کیوں آگئے
زندگی کا بھی مزا جاتا رہا

ناشگفتہ ہی رہی دل کی کلی،
موسمِ گُل بارہا آتا رہا

جب سے تو نے دشمنی کی اختیار
اعتبارِ دوستی جاتا رہا

اپنی ہی ضد کی دلِ بیتاب نے
ان کے در تک بھی میں سمجھاتا رہا

اب میں کیوں تقدیر کا قائل رہوں
جو کہا تم نے وہ ہو جاتا رہا

ان کا استغنا بھی کیا بیدرد ہے
میری ہر خواہش کو ٹھکراتا رہا

جور تو اے جوشؔ آخر جور تھے
لطف بھی اُن کا ستم ڈھاتا رہا

۲

حسنِ ساقی کیا مئے پر جوش ہے　　انجمن کی انجمن بے ہوش ہے
کیا بہار آئی ہے کتنا جوش ہے　　جس کلی کو دیکھئے مے نوش ہے
اک جہاں ہو جس کا مشتاقِ جمال　　سخت حیرت ہے وہ کیوں رُو پوش ہے
شوق کا معیار کس سے پُوچھئے　　طُور کا شعلہ بھی اب خاموش ہے
زندگی میں کیا سبکدوشی ملے　　زندگی تو خود ہی بارِ دوش ہے
اللہ اللہ منظرِ برقِ جمال　　دیکھتی ہے آنکھ لب خاموش ہے
ساغرِ مے ہاتھ سے چھوٹا نہیں　　میری بیہوشی جوابِ ہوش ہے
ہاؤ ہو کی اس میں گنجائش نہیں　　تیرے کوچے کی فضا خاموش ہے

آبِ کوثر جوش ہو جس پر فدا
وہ مرا اشکِ ندامت کوش ہے

بھی بہت شطرنج کھیلنے کے شائق تھے۔ یہ اتفاقی بات ہے۔ کہ آپ کو دونوں شرف تخت گاہ دہلی سے عطا ہوئے

آپ کی قوتِ حافظہ بچپن ہی سے زبردست تھی۔ درسی کتابوں کے تمام نثر و نظم کے حصے بہت جلد دو چار بار نظر ڈالنے سے ازبر ہو جاتے تھے اور لطف یہ ہے کہ وہ سب آج تک یاد ہیں۔ ذہن اچھا ہونے کے سبب سے زمانہ طالب علمی میں آپ محنتِ شاقہ سے کام لینے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اور نہ فی الواقع ضرورت تھی۔ لیکن اس پر بھی تمام جماعت میں آپ کا اول نمبر رہتا تھا۔ ایک بار یہ صورت پیش آئی۔ کہ طریقۂ تعلیم کی کتاب کا امتحان تھا۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد سائیکالوجی کے چالیس صفحے دیکھے۔ اور دس بجتے بجتے سو گئے۔ صبح اُٹھ کر ایک ہم جماعت سے کہا کہ فلاں حصّہ کتاب سے میرا امتحان تو لو۔ وہ سوال پوچھتا گیا۔ اور یہ برابر مسلسل طور سے جواب معقول دیتے گئے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ نہ صرف جوابات ہی درست تھے۔ بلکہ زبان سے وہی الفاظ بھی نکلے جو کتاب میں درج تھے۔ اِن کے ہم جماعت اس حافظہ اور ذہن پر بے حد رشک و حسد کرنے لگے۔ اور انہوں نے آپ سے اس شکل میں بدلہ لے کر چھوڑا۔ کہ آپ کی ساری توجہ اُردو اور پنجابی کی مختلف نظموں کے یاد کرنے اور سُنانے کی طرف پھیر دی۔ تاکہ اصلی تعلیم سے غافل ہو کر اس چکّر میں پھنس جائیں۔ یہ واقعہ عالمِ طفلی کا ہے۔ قدرت کو بھی یہی منظور تھا۔ پس شعر کی جانب میلانِ طبع کا آغاز انہیں وجوہ سے ہو گیا۔ اور ایک ودیعت فطری عرصۂ وجود میں آگئی۔ پہلے آسان بحروں میں نظمیں کہنی شروع کیں۔ جن کی تقطیع وغیرہ قدرتاً بالکل درست ہوتی تھی۔ اور جن کو دیکھ کر اور پڑھ کر آپ کے تمام ہم جماعتوں اور دیکھنے اور سُننے والوں نے آپ کے متعلق ایک شاعر اور اچھا شاعر بننے کی پیشین گوئی کر دی۔ اور حکم لگا دیا۔ کہ یہ لڑکا کسی وقت میں ضرور شاعر بن کر رہیگا۔ چنانچہ ان لوگوں کی زبان خالی نہ گئی۔ اور آج میں ہر اعتبار سے صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ایک نہایت بہتر ادیب بھی آپ کو پاتا ہوں۔

۳

جیتے جی میں کس طرح آزاد ہوں
آپ اپنی قید کی میعاد ہوں

بوئے گُل بن کر ہُوا کیا فائدہ
ہائے اب بھی خانماں برباد ہوں

تیر جو آیا وہی خالی گیا
شرمسارِ کوششِ صیّاد ہوں

آخری تعمیر بھی ناقص رہی
کہ گئی سب سے کہ بے بنیاد ہوں

ایک عالم تو عطا کر اے کریم
یہ بھی کیا کچھ قید کچھ آزاد ہوں

یاد کیا آئے دلِ برباد کی
اب تو میں خود ہی دلِ برباد ہوں

اور بھی اِس شرم نے مارا مجھے
آپ کا بندہ ہوں پھر ناشاد ہوں

مہرباں مجھ پر تو ہو اے شاہِ حُسن
عشق کی میں آخری فریاد ہوں

جوشؔ جو ہر اوج سے بیزار ہے
میں وہی افتادۂ افتاد ہوں

۴

سوزِ غم میں دیدۂ تر کام آسکتا نہیں
یہ وہ آتش ہے جسے پانی بجھا سکتا نہیں

منظرِ تصویرِ دردِ دل مٹا سکتا نہیں
آئینہ پانی تو رکھتا ہے پلا سکتا نہیں

کیا کرامت ہے وہ آنکھوں میں سمٹ کر آ گیا
وسعتِ ارض و سما میں جو سما سکتا نہیں

وہ بہاریں تیرے جلووں میں ہیں جنکے سامنے
گلشنِ جنت بھی رنگ اپنا جما سکتا نہیں

خاک پر سب کو سلا کر تیغِ قاتل کہ گئی
اب انہیں شورِ قیامت بھی جگا سکتا نہیں

جب نوشتے میں یہی کچھ ہو تو شکوہ کیا کریں
تمنے جو لکھا ہے اس پر حرف آ سکتا نہیں

آہ اس بیدرد کی الفت میں ہوں آتش بجاں
جو لگا سکتا تو ہے۔ لیکن بجھا سکتا نہیں

میری رسوائی کا حال اے داورِ محشر نہ پوچھ
میں بھری محفل میں یہ قصّہ سنا سکتا نہیں

رفتہ رفتہ کر سکو گے جوشؔ ترکِ شاعری
عمر بھر کا روگ دو دن میں تو جا سکتا نہیں

۵

دم بھر نہ ٹھہرے سامنے آ کر چلے گئے
اِک شعبدہ وہ مجھ کو دکھا کر چلے گئے

اس وہم سے کہ نیند میں آئے نہ کچھ خلل
احباب زیرِ خاک سُلا کر چلے گئے

تدبیر ضعفِ دل کی کسی سے نہ ہو سکی
سب اپنا اپنا زور لگا کر چلے گئے

آنے کو لاکھوں آئے بیاباں نوردِ عشق
دو روز خاک اُڑائی اُڑا کر چلے گئے

ثابت قفس میں عہدِ عناصر نہ رہ سکا
چاروں کے چاروں جان چھڑا کر چلے گئے

میرے چراغِ عمر سے روشن تھی بزمِ ناز
سوجھی یہ کیا تمہیں کہ بجھا کر چلے گئے

ہر شام پر گمان تھا صبحِ نشاط کا
کیا دن تھے وہ خوشی کے جو آ کر چلے گئے

اِک میں کہ انتظار میں گھڑیاں گِنا کروں
اِک تُم کہ مجھ سے آنکھ بچا کر چلے گئے

افسردگی مآل ہے اُن کا ہر التفات
جب آئے دل کو آگ لگا کر چلے گئے

اے جوشؔ اب کہوں تو کہوں کس سے دردِ دل
احباب اپنی اپنی سنا کر چلے گئے

۶

ایک بھی پایا نہ راحت کا مکاں میرے لئے
ٹھوکریں کھاتی پھری عمرِ رواں میرے لئے

دردوغم میرے لئے آہ و فغاں میرے لئے
ہے ترے گھر میں یہی اے آسماں میرے لئے

شوق الفت ہی نہیں ہے جاں ستاں میرے لئے
ترکِ الفت بھی ہے مرگِ ناگہاں میرے لئے

ہے اگر راہِ طلب تاریک تو پروا نہیں
مشعلیں روشن کرینگی بجلیاں میرے لئے

کوئی دیکھے تو مرے کیفِ نظر کی وسعتیں
سات مےخانے ہیں ساتوں آسماں میرے لئے

اس قدر بھی کیا کہ جس سے ہوش کھو بیٹھے کوئی
بس یہی کافی ہے اے پیرِ مغاں میرے لئے

داد دیتا ہوں تجھے یارب میں اس تخصیص کی
مہرباں سب کے لئے نامہرباں میرے لئے

عشق کی نعمت اگر دی ہے جفا بھی ترک کر
اور بھی تھوڑا سا جھک اے آسماں میرے لئے

موسمِ گل ہی پہ تھی موقوف فکرِ آشیاں
اب تو سر اجڑا چمن ہے آشیاں میرے لئے

جز غمِ الفت نہیں ہے کوئی بھی پرسانِ حال
آں جہانی ہو گیا سارا جہاں میرے لئے

رحم کچھ آیا تو ہے اُن کو مری تخریب پر
ایک گردش اور بھی اے آسماں میرے لئے

جل نہ جائیگا مری فریاد سے تیرا چمن
تو نے کیوں آکر قدم اے باغباں میرے لئے

دو قدم چلنا بھی اب راہِ طلب میں ہے محال
ناتوانی بن گئی بارِ گراں میرے لئے

اس میں جو افتاد آئے جوشؔ وہ بھی اوج ہے
ان کے کوچے کی زمیں ہے آسماں میرے لئے

۷

میکشو جام اُٹھالو کہ گھٹائیں آئیں
اِشر لو کھتی ہوئی سرد ہوائیں آئیں

عشق و اُلفت کی سزا مل گئی آخر مجھ کو
میرے آگے مری معصوم خطائیں آئیں

اب توجہ تو مرے حال پہ ہو جاتی ہے
شکر کرتا ہوں کہ اُس بُت کو جفائیں آئیں

خندہ زن داغِ معاصی پہ ہوئی جاتی ہے
لو مری شرمِ گنہ کو بھی ادائیں آئیں

وہی مرنے کی تمنّا وہی جینے کی ہوس — نہ جفائیں تمہیں آئیں نہ وفائیں آئیں

پھر وہ آمادہ ہوئے مجھ پہ برسنے کیلئے — پھر مرے سر پہ مصیبت کی گھٹائیں آئیں

اس قدر جورِ حسیناں سے رہا خوف زدہ — حُوریں آئیں تو میں سمجھا کہ بلائیں آئیں

کوہِ غم تھا میرا انعامِ محبّت شاید — چار جانب سے اُٹھا لو کی صدائیں آئیں

ڈوبنے والی ہے کیا کشتیِ امیّد اے جوشؔ
موج تڑپی لبِ ساحل پہ دعائیں آئیں

۸

ع

اتنا گمراہ نہ کر ناصحِ ناداں مجھکو — بڑھکے ایماں سے ہے وہ دُشمنِ ایماں مجھ کو

سوزشِ داغِ دروں سے نظر آتا ہے یہی — پھونک دیگا یہ چراغِ تہِ داماں مجھ کو

ہوسِ سیرِ گلستاں ہے خدا خیر کرے — خواب میں بھی نظر آتے ہیں بیاباں مجھ کو

اس کے چکّر میں بھی برباد ہُوا جاتا ہوں
گردشِ جام بھی ہے گردشِ دوراں مجھ کو

گھر بیاباں میں بنایا تو یہ رتبہ پایا
سر پہ دیتے ہیں جگہ خارِ مغیلاں مجھ کو

گرم اشکوں سے مرے دل کی لگی کیا بجھتی
کر گئے اور بھی یہ شعلہ بداماں مجھ کو

آج وہ شانِ کریمی ہیں دکھانے والے
کہیں رُسوا نہ کرے تنگیٔ داماں مجھ کو

گھر سے وحشت میں نکلتا ہوں جو صحرا کی طرف
پاؤں پڑ پڑ کے مناتا ہے گریباں مجھ کو

کوئی ہمدم نہیں مونس نہیں دمساز نہیں
کس جگہ چھوڑ گئی عمرِ گریزاں مجھ کو

دولتِ کفر کی امید نہ چھوڑونگا کبھی
مل ہی جائیگا کوئی دشمنِ ایماں مجھ کو

اسکے چکّر میں دوبارہ تو میں آنیکا نہیں
ڈھونڈتی پھرتی ہے کیوں گردشِ دوراں مجھکو

میرے اعمال ہوں سرسبز الٰہی کیوں کر
تونے پیدا ہی کیا سوختہ ساماں مجھ کو

ہوسِ جاہ رہی مانعِ طاعت اے جوشؔ
سروساماں نے کیا بے سروساماں مجھ کو

۹

ع

مجھ کو لینے کیلئے بے تاب ہر ویرانہ تھا
پاؤں کا چکّر بھی گویا گردشِ پیمانہ تھا

اسکے ہوتے میں نہ محتاجِ خم و خمخانہ تھا
تیرا پیمانِ وفا میرے لئے پیمانہ تھا

حشر میں تھا نامۂ اعمال سب کے ہاتھ میں
میرے ہاتھوں میں مرا ٹوٹا ہوا پیمانہ تھا

تجھ سے بھی کچھ بڑھ کے تھیں تیری تمنّائیں حسیں
سینکڑوں پریوں کے جھرمٹ میں ترا دیوانہ تھا

چھین لی کیوں آپ نے مجھ سے متاعِ صبر و ہوش
کیا سزائے قید غم کے ساتھ کچھ جرمانہ تھا

چار دن چلنے نہ پایا بادۂ عشرت کا دَور
ہائے کتنا تنگ میری عمر کا پیمانہ تھا

جل بجھا وہ شمع پر میں مر مٹا اس رشک سے
موت پروانے کی تھی یا موت کا پروانہ تھا

داستانِ عاشقی کچھ اور باقی ہے ابھی
خوابِ ہستی تو فقط افسانہ در افسانہ تھا

میرے ساغر کو ٹپکتے دیکھ کر محفل ہے مست
بال پیمانے میں تھا یا بال میں پیمانہ تھا

گرتے پڑتے لے ہی آئی منزلِ جاناں پہ تو
کام کچھ تیرا ہی یہ اے ہمّتِ مردانہ تھا

جوش کا کچھ ذکر سُن پایا تو بولے کون جوش
کیا وہی جو شہر بھر میں ایک ہی دیوانہ تھا

١٠

سلامِ شوق پر کیوں دل کی حیرانی نہیں جاتی — بڑے انجان ہو صورت بھی پہچانی نہیں جا
سبکدوشِ مصائبِ زندگی ہیں کون ہوتا ہے — قضا جبتک نہیں آتی گراں جانی نہیں جا
نہیں ہوتا کسی سے چارۂ وحشت نہیں ہوتا — نہیں جاتی ہماری چاک دامانی نہیں جا
ستم کو بھی کرم سمجھا جفا کو بھی وفا سمجھا — مگر اس پر بھی اُن کی چینِ پیشانی نہیں جا
عجب خُو ہے کہ بے مطلب کی اکثر مان لیتے ہو — مگر مطلب کی جب کہیئے تو وہ مانی نہیں جا
مرض کا جاننا یا نبض کا پہچاننا کیسا — ترے بیمار کی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
تمہاری پُر غضب چتون مجھی پر وار کرتی ہے — یہ برچھی غیر کے سینے پہ کیوں تانی نہیں جاتی

وہی بندی ہے جسکے ساتھ شانِ پارسائی ہو
وہ مے کیا دامنِ تقوےٰ میں جو چھانی نہیں جاتی

بہار آئی ہے یا سارے زمانے پر شباب آیا
کسی سے زوالِ دنیا اب تو پہچانی نہیں جاتی

وہی تیور وہی گھاتیں وہی فتنے نگاہوں کے
قیامت میں بھی ان کی حشر سامانی نہیں جاتی

ترے کوچے میں رہ کر مجھ کو مرمٹنا گوارا ہے
مگر دیر و حرم کی خاک اب چھانی نہیں جاتی

کیا ہے جوشؔ ترکِ میکشی کا عہد گو میں نے
مگر اس عہد پر میری پشیمانی نہیں جاتی

۱۱

کہ رہی ہے تیرے جلووں کی فراوانی مجھے
خود ہیں زندانی سمجھتے ہیں جو زندانی مجھے

اے زبانِ تیغ تجھ کو دستِ قاتل کی قسم
کچھ بتا تو ہی علاجِ دردِ پنہانی مجھے

عالمِ حیرت میں آکر اور بھی گم ہو گیا
اور پنہاں کر گئے اسرارِ پنہانی مجھے

اخلاقی مضامین اور قدرتی مناظر پر اشعار لکھنے سے شاعری کا آغاز ہوا۔ مگر درسی کتابوں میں اساتذہ کے کلام اور غزلیات پر نظر ڈالنے سے دل میں یہ بات جم گئی۔ کہ اب تک جو کچھ لکھا ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں۔ اس خیال کا آنا تھا۔ کہ پچھلا ذخیرہ جو کلام کا تھا چاک کر کے پھینک دیا اور طبیعت غزل گوئی کی جانب مائل ہوگئی چند فنی کتابوں اور تنقیدی مضامین کے نظر سے گزرنے۔ شاعری کے ماہانہ رسالوں کے وقتاً فوقتاً زیر مطالعہ آنے۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانوں میں شامل ہونے اور امتیازی کامیابی حاصل کرنے اور ذاتی طریق پر مشقِ سخن قائم اور جاری رکھنے کے سبب سے بہت کم زمانے میں فنِ سخن کے رموز و نکات پر عبور حاصل کر لیا۔ اور ۱۹۰۲ء میں فصیح الملک بہادر ناظم یار جنگ بلبلِ ہند جہاں اُستاد جناب نواب مرزا خان صاحب داغ دہلوی سے بذریعہ خط و کتابت اصلاح لینی شروع کر دی۔ مگر مہینے میں صرف ایک بار یا کبھی کبھی دو بار غزل بھیجنے کا اتفاق ہوتا تھا یہ سلسلہ تقریباً ڈھائی سال تک جاری رہا ہوگا۔ کہ حضرت داغ نے وفات فرمائی۔ اس کے بعد پھر کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ہمیشہ اپنے ہی ذوقِ صحیح پر بھروسہ رکھا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے بے مثل اور مکمل شاعر کو کلام دکھا چکنے کے بعد کسی کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کو طبیعت کب گوارا کر سکتی ہے۔ میں اس جگہ چند اصلاحی اشعار لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شعر:- محوِ حیرت تری اک بلبلِ تصویر نہیں — دیدۂ مرغِ تحیر بھی ہے حیراں تیرا
اصلاح:- نہیں اک بلبلِ تصویر ہی محوِ حیرت — دیدۂ مرغِ تحیر بھی ہے حیراں تیرا
شعر:- قلزمِ عشق کا طوفان ہے بچنا معلوم — اے دلِ زار اب اللہ نگہباں تیرا
اصلاح:- قلزمِ عشق کے طوفان سے بچنا معلوم — اے دلِ زار اب اللہ نگہباں تیرا
شعر:- آبِ کوثر بھی ہو اس جام پہ صدقے سو بار — جس میں مجھ کو نظر آئے رُخِ رخشاں تیرا

قالبِ انسان میں بھی صدہا بلائیں جھیل ہیں
دیکھئے اب کیا دکھائے خانہ ویرانی مجھے

وہ جنوں وہ جوشِ سودا اب کسی سر میں نہیں
ڈھونڈتی پھرتی ہے میری چاک دامانی مجھے

روح کا دل کا جگر کا روگ سب جاتا رہا
راس آیا ہے قضا کے گھاٹ کا پانی مجھے

دیکھئے بدنام کرتی ہے کسے اے پند گو
تیری دانائی تجھے یا میری نادانی مجھے

تو فنا کس کو کرے گی خود فنا ہو جائیگی
دھمکیاں اتنی نہ دے اے ہستیِ فانی مجھے

رازِ الفت کو بھی رسوا کر دیا میری طرح
اور لے ڈوبی مرے اشکوں کی طغیانی مجھے

یا خدا جانے اسے یا آپ کی تیغِ جفا
اور ابھی پینا ہے کس کس گھاٹ کا پانی مجھے

اہلِ ہمت کی نگاہوں میں سبک ہو جاؤنگا
اب اُٹھانا ہی پڑا بارِ گراں جانی مجھے

آبِ خنجر سے بھی دل کی آگ بجھ سکتی نہیں
یہ ملی ہے کس بلا کی شعلہ سامانی مجھے

بیدلی جور و جفا سے تھی مگر اتنی کہاں
کھا گئی اُس خود پشیماں کی پشیمانی مجھے

بارشِ گلہائے مضموں آج پھر ہوتی ہے جوش
پھر ستاتا ہے خیالِ تنگ دامانی مجھے

۱۲ ع

آہ و فغاں نہ اس قدر اے دلِ بیقرار کر — صبر بھی اختیار کر جبر بھی اختیار کر
نیند حرام جس نے کی موت کے انتظار میں — موت نے اُس سے کہدیا حشر کا انتظار کر
جان جب اُن کو سونپ دی ہی ما و شما کہاں رہا — ان کی خطا بھی اے خدا میری خطا شمار کر
نالۂ ناتواں مرا کچھ تو اثر دکھا گیا — کان میں آئی یہ صدا کہیئے ذرا پکار کر
ساغرِ مُل میں کچھ نہیں جلوۂ گُل میں کچھ نہیں — وقت ملے تو دو گھڑی سیرِ دلِ فگار کر
تائبِ کبر و ناز ہو محوِ سرِ نیاز ہو — حسن کا اعتبار کیا عشق کا اعتبار کر
اے دلِ مرگ آشنا خط کا جواب سُن لیا — اور تُو بیقرار ہو اور تو انتظار کر
حسنِ فسوں طراز نے اُنکی ادائے ناز نے — جان جگر میں ڈال دی تیر جگر پہ مار کر
درد کا جب گلہ کیا مجھ کو ملا یہی جواب — شکر کا یہ مقام ہے شکوہ نہ بار بار کر
جوشش بساطِ شوق میں مرگ ہے اصلِ زندگی — بازیِ عشق جیت لے بازیِ عمر ہار کر

۱۳

اُنہیں کے دیدۂ باطن کو روشن ہم سمجھتے ہیں
ہر اک صبحِ مسرّت کو جو شامِ غم سمجھتے ہیں

خوشی بھی سامنے آئے تو اس کو غم سمجھتے ہیں
فلاطوں جس حقیقت کو نہ سمجھے ہم سمجھتے ہیں

کہوں شرحِ جنوں کیونکر خردمندوں کی محفل میں
یہ وہ نکتے ہیں جنکو اہلِ دانش کم سمجھتے ہیں

شبِ تاریکِ غم میں زندگی کا ہے یقیں کس کو
صفِ انجم کو ہم اپنی صفِ ماتم سمجھتے ہیں

دہن سے کام لے طرزِ بیاں تبدیل کر اے دل
زبانِ بے زبانی کو وہ شاید کم سمجھتے ہیں

پریشانیِ غم کا سلسلہ اتنا ہے طولانی
کہ ہم اس کو جوابِ کاکلِ برہم سمجھتے ہیں

ہمارے عشق نے مفہوم لفظوں کا بدل ڈالا
کہ جو دم پر بنا دے ہم اسے ہمدم سمجھتے ہیں

جلا کر خاک کر دیگی سکوں کو عیش و راحت کو
تمہاری سرد مہری کو ہم آتش دم سمجھتے ہیں

ہوئے جو خوگرِ غم عیش کا ان پر اثر کیا ہو
خوشی کو وہ خوشی سمجھیں جو غم کو غم سمجھتے ہیں

کلامِ جوشؔ میں رنگ اس قدر ہو یاس و حسرت کا
اسے بھی ہم تو اک نیرنگیِ عالم سمجھتے ہیں

۱۴۷

جوشِ وحشت کا ہُوا یہ مرے افسانے سے
شہر کے شہر نظر آتے ہیں ویرانے سے

کشتیِ مے کا خدا پار لگائے بیڑا
بہ گئے کیف کے دریا مرے پیمانے سے

کون آیا تھا بلا نوش یہاں اے ساقی
توبہ توبہ کی صدا آتی ہے میخانے سے

یہ کشش اس کی ہمہ گیر محبت سے ہوئی
لاگ پتھر کو نہ تھی کچھ ترے دیوانے سے

اس قدر بیٹھ گئی گردِ نمودِ ہستی
اک بگولا بھی نہ اُٹھا مرے ویرانے سے

عجز نے مستِ رعونت مجھے ہونے نہ دیا
یہ وہ مے ہے جو نہ چھلکی کبھی پیمانے سے

پھر کوئی برقِ بلا اس پہ گری ہے شاید
پھر دھؤاں اُٹھا ہے اُجڑے ہوئے کاشانے سے

دل کو تھی جسکی طلب دل ہی میں پایا اُس کو
اب حرم سے کوئی مطلب ہے نہ بتخانے سے

اور دم بھر ابھی اس شغل کو جاری رکھیئے
ٹوٹ جائیگا نہ پیماں کوئی پیمانے سے

اس قدر سوزِ محبّت نے بنایا محسُود
شمع خود جل گئی جلتے ہُوئے پروانے سے

حضرتِ جوشؔ جو کل ہی تو ہوئے توبہ شکن
سنتے ہیں آج نکالے گئے میخانے سے

۱۵

دل میں بتوں کا نقش بٹھایا نہیں ہنوز
کعبے کو دَیر ہم نے بنایا نہیں ہنوز

مدّت ہوئی کہ بابِ اثر بند ہو گیا
مَیں نے دعا سے ہاتھ اٹھایا نہیں ہنوز

جو کہہ سکیں نہ ہم وہ کہا ہی نہیں ابھی
جو سُن سکو نہ تم وہ سنایا نہیں ہنوز

شوقِ کمال اے دلِ ناکام کیا کرے
تو نے کمالِ شوق دکھایا نہیں ہنوز

ہم اور دردِ دل کے لئے چارہ سازیاں
یہ روگ اپنے جی کو لگایا نہیں ہنوز

دامن چھڑاؤں پرسشِ محشر سے کس طرح
مَیں نے تو داغِ مَے بھی چھڑایا نہیں ہنوز

ساقی خدا کرے کہ مجھی کو عطا کرے
وہ جام جو کسی کو پلایا نہیں ہنوز

سَو پردوں میں بھی شوقِ تماشا ہو کامیاب
آنکھوں نے یہ کمال دکھایا نہیں ہنوز

بے رنگیِ جہاں کا ہو نقش استوار کیا
وارفتگی نے رنگ جمایا نہیں ہنوز

تمہید ہی سے آپ تو بیزار ہو گئے
سننا جو چاہیئے وہ سنایا نہیں ہنوز

اے جوشؔ شکر کر کہ یگانوں کے جور نے
بیگانۂ حواس بنایا نہیں ہنوز

۱۶

کون تھا عشقِ بتاں میں جو دل آزار نہ تھا
ایک پھندا تھا گلے میں مرے زنّار نہ تھا

وحشتِ دل ترے کوچے میں سوا ہوتی تھی
مجھ کو آسیب سے کم سایۂ دیوار نہ تھا

سَو حیاتِ ابدی مرگ پہ کر دوں قربان
قتل کے بعد ہی کہہ دو کہ گنہگار نہ تھا

بند کیوں ہو گئیں آنکھوں کی دکانیں یا رب
میں ابھی گرمیِ بازار سے بیزار نہ تھا

خوگرِ جور کو غصّے ہی میں ہے لطفِ حیات
ورنہ روٹھے کو منانا اب مجھے دشوار نہ تھا

کرگئی موت مجھے اور بھی رسوائے جہاں
اس نے الزام یہ رکھّا کہ وفادار نہ تھا

اے دُرِ اشک تری قدر یہاں کیا ہوتی
کوچۂ چاکِ گریباں کوئی بازار نہ تھا

ذرّے ذرّے کی نظر ہے دلِ مشتاقِ جمال
ایک موسٰے ہی ترا طالبِ دیدار نہ تھا

اک نہ اک شکل میں ہونا ہی پڑا گرمِ تلاش
اُس کو جب ڈھونڈ نکالا تو دلِ زار نہ تھا

کیوں اسے چاک کیا دستِ خزاں نے اے جوشؔ
دفترِ گل تھا کوئی دفترِ اشعار نہ تھا

۱۷

نگہِ ناز پہ قربان ہے خلقت کیسی
ہر جگہ ہوتی ہے اس چور کی عزّت کیسی

تجھ سا دشمن بھی زمانے میں نہ ہوگا اے دل
ڈال دی تو نے مری جان پر آفت کیسی

کہیں دریائے محبّت ہی نہ طوفانی ہو　　ڈوبی جاتی ہے مری آج طبیعت کیسی

سیدھے منہ بات بھی کرتے نہ سُنے ہم نے کبھی　　حُسن والوں کی بگڑ جاتی ہے عادت کیسی

مجھ پہ دنیا میں رہی روز قیامت برپا　　اور اے داورِ محشر یہ قیامت کیسی

کیا غضب ہے کہ تصوّر میں بھی تاریکی ہے　　چھا گئی مجھ پہ بلائے شبِ فرقت کیسی

حاصل اس شوقِ ریاضت کا بتا اے زاہد　　مول لے رکھّی ہے تو نے یہ مصیبت کیسی

شوخ طبعی نے کہیں کا بھی نہ رکھّا ہم کو　　درِ دوزخ پہ بھی روکے گئے جنّت کیسی

جان دے کر بھی رسائی کی نہیں ہے اُمّید　　ہائے دشوار ہے یہ منزلِ اُلفت کیسی

جی اُٹھی حسرتِ مُردہ مرے دل میں آ کے جوش
کر گیا تیرِ نگہ آج کرامت کیسی

ع ۱۸

یاس کے عالم میں نکلا دل سے نالہ ایک اور
میرے ضبطِ راز پر الزام آیا ایک اور

حسن کی دنیا میں دیکھی ہم نے دنیا ایک اور
روئے زیبا میں نہاں تھا روئے زیبا ایک اور

بزمِ ساقی میں بھی کوئی حرص سے خالی نہیں
ایک ساغر پی کے ہر مے خوار بولا ایک اور

جب کوئی غنچہ کھلا رو رو کے بلبل نے کہا
جان کا دشمن ہوا گلشن میں پیدا ایک اور

قیس کے دل کی تمنا حسن میں کچھ کم نہیں
جلوہ گر ہے سامنے لیلا کے لیلا ایک اور

عشق نے ہم کو زیارت گاہِ عالم کر دیا
گردِ غم سے ہو گیا تعمیر کعبہ ایک اور

کس جگہ رکھ دوں تجھے اے خرمنِ صبر و سکوں
دل میں بھڑکا سوزِ پنہانی کا شعلہ ایک اور

حشر کا اے حضرتِ واعظ یہی مفہوم ہے
زندگی کے بعد دیکھیں گے تماشا ایک اور

اب ذرا سی رہ گئی سدِّ رمق اے تیغ زن
ہیں ترے ہاتھوں کے صدقے ہاتھ ایسا ایک اور

بجرِ غم کی گود خالی ہم نے دیکھی ہی نہیں
ایک اگر منجدھار سے نکلا تو ڈوبا ایک اور

آستیں بھی جوشِ تم نے چاک کی دامن کے بعد
دیکھنے والوں کو ہاتھ آیا شگوفہ ایک اور

۱۹

کس بلا کا حُسن ہے اے رُوحِ گلشن پھُول ہیں
خود تری تصویر کا ہے رنگ و رے وغن پھُول ہیں

آنکھ ڈالی جس نے وہ مسحُور ہو کر رہ گیا
چھپ کے بیٹھا ہے کوئی تو سامری فن پھُول ہیں

حُسن ہو تو داد دیتے ہیں خود اہلِ حُسن بھی
رنگِ گل کو ہم نے دیکھا گُل بہ دامن پھُول ہیں

اللہ اللہ یہ بہارِ حُسن یہ رنگینیاں
پھُول گلشن میں نظر آیا کہ گلشن پھُول ہیں

اِس جہانِ رنگ و بُو میں دیوتا آباد ہیں
اپنا مندر تُو بنا لے اے برہمن پھُول ہیں

پھُول کے دو چار ساغر اور اے ساقی لنڈھا
خوب تر کردے مری توبہ کا دامن پھُول ہیں

موت نے آ کر مٹا دیں سب کے دل کی رنجشیں
دوست بن کر آ گیا ہر ایک دشمن پھُول ہیں

اصلاح۔ آبِ کوثر بھی ہو اس جام پہ صدقے سو بار جس میں تجھ کو نظر آئے رُخِ تاباں تیرا

پہلے شعر میں ایک طرف تری اور دوسری طرف تیرا تھا۔ یہ تکرار بدنما تھی۔ اس باعث سے اُستاد نے تصرّف فرمایا۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں دو لفظ بدلے گئے ہیں۔ مگر ان کے بدل دینے سے کس قدر روانی آگئی۔ استادی اسی کا نام ہے۔ تیسرے شعر میں رخشاں کی جگہ تاباں زیادہ فصیح ہے اور مجھ کو کی جگہ تجھ کو لکھ کر معنی میں جو تبدیلی ہو گئی ہے۔ اس سے مصرع بہت بلند ہو گیا ہے۔

شعر:۔ پی لی تو بطِ مے کی ثنا ہم نے سُنائی یوں خانۂ خمار میں بے پر کی اُڑائی

اصلاح پیتے ہوئے تعریف بطِ مے بھی سُنائی یوں ہم نے خرابات میں بے پر کی اُڑائی

اس شعر میں پی۔ لی۔ یہ دو لفظ مل کر ایک اور لفظ بن جاتا ہے۔ مثلاً نیلی۔ پیلی۔ اس باعث سے اصلاح کی ضرورت پیش آئی۔ اور خانۂ خمار کی جگہ خرابات کا جو لفظ رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی داد کیا دی جائے۔ یہ لفظ نہیں نگینہ ہے۔ لیکن اِس ترمیم پر بھی اس مطلع میں ایطا باقی رہ گیا۔ مگر اب سے کچھ دنوں پہلے اساتذہ اس ایطا پر کم توجہ فرماتے تھے۔ چنانچہ کسی مستند شاعر کا کلام اس سے پاک و صاف نہ ملے گا۔ آخری زمانے میں منشی امیر مینائی صاحب لکھنوی شاعر نہیں بلکہ شاعر گر استاد سمجھے جاتے تھے۔ اور اُن کی تحقیقات کا رتبہ بھی بہت بلند تھا۔ وہ بھی اپنے دوسرے دیوان صنم خانۂ عشق میں اس ایطا پر لحاظ نہ فرماتے ہوئے مطلع فرماتے ہیں ؎

آہوں سے داغِ عشق مٹایا نہ جائیگا آندھی سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

غرض اِن اشعار اور اُن اشعار کی اصلاح دیکھنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آپ ابتدائے شاعری میں بھی جو کچھ کہتے تھے اُس پر بہت کم اصلاحی ضرورت ہوتی تھی۔ اگر آج تک استادِ مرحوم سے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

یہ تری قسمت نے کانٹے بو دیئے اے عندلیب
بے طرح اُلجھا ہُوا ہے تیرا دامن پھُول میں

ان میں جو اچھا ہے چُن لے اے نگاہِ انتخاب
ایک گلشن خار میں ہے، ایک گلشن پھُول میں

اے خزاں اب خار و خس میں بھی جگہ پاتا نہیں
آہ وہ طائر کہ تھا جسکا نشیمن پھُول میں

اس غزل میں جوشؔ تم نے رنگِ معنی بھر دیا
کھینچ دی کیا دلربا تصویرِ گلشن پھُول میں

۲۰

بڑی تاثیر والے تیرے دیوانوں کے نالے ہیں
چمن والوں نے بھی اپنے گریباں پھاڑ ڈالے ہیں

کسے دیتا ہے راحت دورِ ہفت افلاک اے ناداں
بھرا ہے زہرِ غم جن میں یہی تو وہ پیالے ہیں

فغاں میں برقِ سوزاں کا اثر پیدا کر اے بُلبل
یہ آہیں کوئی آہیں ہیں یہ نالے کوئی نالے ہیں

حیاتِ جاوداں آئی ہے جانبازوں کے حِصّے میں
ہمیشہ جینے والے ہیں یہ جتنے مرنے والے ہیں

خدا کا خوف کر مشقِ جفا اتنی نہیں اچھی
ترے تیروں نے اے سفاک سینے چھان ڈالے ہیں

محبت میں گراں پا ہو نہ اتنا خوفِ رہزن سے
جو اس رستے میں لُٹ جائیں بڑی تقدیر والے ہیں

دکھایا جس جگہ سب اسکو رحمت کی سند سمجھے
ہزاروں کام ہمنے داغِ عصیاں سے نکالے ہیں

یہی ترکِ ہوس ہے تو ہوس کیا شے ہے اے زاہد
خیالِ حُور میں سجدے بھی تو نے بیچ ڈالے ہیں

لحاظِ ناتوانی سے یہی مقبول ہوں یارب
یہ چار اشکِ ندامت بھی مصیبت سے نکالے ہیں

اسی کی چاہ میں افتاد آئے ہیں نہ مانونگا
بہت گرتے ہوئے جسکی نگاہوں نے سنبھالے ہیں

گزر بادِ خزاں کا جسکے پھُولوں پر نہیں ہوتا
ہمارے داغِ دل بھی جوشؔ اُسی گلشن کے لالے ہیں

۲۱
ع

ہر گام پر آفت ہے مصیبت ہے، بلا ہے
دنیا مری نظروں میں گناہوں کی سزا ہے

اب ہم بھی کچھ اظہارِ تمنّا نہ کریں گے
وہ چھوڑ چکے ہیں تو ہمارا بھی خدا ہے

ساقی مجھے دو گھونٹ پہ ٹالا ہے جو تُو نے
دل بھی مری توبہ کی طرح ٹُوٹ گیا ہے

شمشیر بکف ہونے کی حاجت نہیں تم کو
وعدہ ہی تمہارا اب مجھے پیغامِ قضا ہے

مانوس وہ کیا ہوں مری فریاد و فغاں سے
ہر نالۂ غم سازِ شکستہ کی صدا ہے

دل ہے وہی جس میں ہو ترا سوزِ محبّت
دنیا کے لئے داغِ تمنا ہے تو کیا ہے

اے مستِ رعونت یہ جوانی نہ رہے گی
جس حُسن پہ نازاں ہے وہ پرتول رہا ہے

کچھ جذبۂ صادق ہو کچھ اخلاص و ارادت
اس سے ہمیں کیا بحث وہ بُت ہے کہ خدا ہے

ان دور کے جلوؤں کی شکایت نہ کر اے جوشؔ
اتنا ہی غنیمت ہے کہ پردہ تو اُٹھا ہے

چہار آتش

(۱)

مگس رانی کی خدمت سونپ دی میں نے سلیماں کو
مرے بازو پہ پھیلا دی جو زلفِ عنبریں تُو نے

نیاز و ناز کے عالم نے یہ تکرار پیدا کی
اسی مکتب میں سیکھی آگے ہاں میں نے نہیں تُو نے

مری بگڑی کو بھی یا رب بنا دے گا تو جانونگا
بنانے کو بنایا آسماں تُو نے زمیں تُو نے

مری آہیں تجھے صد ہا نئے عالم دکھا دینگی
ابھی دنیا کہاں دیکھی ہے اے چرخِ بریں تو نے

---

(۲)

دکھا جلوہ کہ خلقت منزلیں طے کر کے آئی ہے
اُٹھا پردہ کہ لاکھوں طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

جنابِ شیخ کی میراث اس میں چل نہیں سکتی
ابھی تو گلشنِ جنت کے ہم حقدار بیٹھے ہیں

دکھا دے جلوہ حُسنِ حیات افروز ان کو بھی
ادھر بھی اے مسیحا سینکڑوں بیمار بیٹھے ہیں

نکمّا ہو گیا میں اس قدر مصروفِ غم ہو کر
مرے اعمال کے کاتب بھی اب بیکار بیٹھے ہیں

(۴۳)

ٹھائیں سست بنیادوں نے عالیشان تعمیریں
قضا رہنے بھی دیگی ان مکینوں کو مکانوں میں

دا جانے صبا ہر روز کیا پیغام لاتی ہے
کہ پہروں کانپتے رہتے ہیں تنکے آشیانوں میں

یر کیا خاک ملتی مجھ کو انجامِ محبّت کی
مری تقدیر تو شامل نہ تھی ان رازدانوں میں

ں اب دو چار طائر جو ہیں آشیاں رہنے دے
انہیں انکی قضا خود ڈھونڈ لیگی آشیانوں میں

---

(۴۴)

ہر میں جنسِ وفا کا کوئی گاہک نہ ملا
ہمیں گھاٹے میں رہے مول یہ جھگڑا لیکر

کرِ نعمت کی کوئی قسط ادا ہو نہ سکی
یہ وہ ہے قرض کسی نے نہ اتارا لیکر

ے اجل تیرے گرائے سے اگر گر بھی گئے
دوشِ احباب کا اُٹھینگے سہارا لیکر

ئی پتھر نہ پڑے غیب سے اے حضرتِ جوشؔ
آپ نکلے تو ہیں آئینۂ دعوےٰ لیکر

(۵)

بادۂ عیش کی میں خاک تمنّا کرتا
وہم تھا زہر نہ بھر دے کوئی پیمانے میں

مرحبا کے لئے ہر جام نے لب کھولدئے
توبہ توڑی کسی تائب نے جو میخانے میں

بادۂ تند کی موجوں سے یہ کھٹکا ہے مجھے
آبرو ڈوب نہ جائے کہیں پیمانے میں

وہ تو وہ ان کا تصوّر بھی گریزاں ہی رہا
کون ٹھہرے مرے اُجڑے ہوئے کاشانے میں

---

(۶)

ہوش میں بھی نہ گیا عالمِ وحشت کا اثر
ہے کلیجے میں وہی چاک جو دامن میں نہیں

کفِ افسوس ہی ملتا مری بربادی پر
کوئی پتّا بھی تو اب شاخِ نشیمن میں نہیں

اِس قدر رہتی ہے نادیدہ بلاؤں کی ہوس
گردن اُس طوق میں ہے طوق جو گردن میں نہیں

سب پہ برسا ہے ترا ابرِ کرم اے ساقی
میرے حصّے کی کوئی بوند بھی ساون میں نہیں

(۷)

رنجِ دنیا خوفِ عقبےٰ بارِ غم فکرِ معاش
ایک جانِ ناتواں پر سو عذابِ زندگی

موج کا کیا ذکر ساحل بھی ہے گردابِ فنا
کونسی امّید پر ابھرا حبابِ زندگی

دل لگی سوجھی یہ کیا اے ساقئ بزمِ حیات
موت کے ساغر میں بھر دی شرابِ زندگی

پیرِ میخانہ کی صحبت جوش کیا پُر لطف ہے
جھومتے دیکھا ہیں ہم نے شبابِ زندگی

---

(۸)

زخم ہرے نہ ہوں کہیں میرے دلِ فگار میں
پھول کھلیں بہار میں گُل نہ کھلیں بہار میں

لطفِ بہار ہے یہی کیفِ بہار ہے یہی
پھول بھی ہوں بہار میں پھول بھی ہو بہار میں

میرے ہی دل کی ہے گرہ میرے ہی دل کی ہے کلی
جو نہ کھُلی بہار میں جو نہ کھِلی بہار میں

داغِ محن جگر میں ہے داغِ فراق دل میں ہے
دیکھئے تو کہاں کہاں پھول کھلے بہار میں

(۹)

زندگی ہی سنگِ راہِ کعبۂ مقصود تھی
دم نکلتے ہی مسافر کا قدم منزل میں ہے

کھائے جاتی ہے اسے ترکِ تمنّا کی خطا
پہلے مشکل دل میں تھی اب دل مرا مشکل میں ہے

چارہ گر کو ڈھونڈنے کی اب ضرورت ہی نہیں
وہ چھری خود چارہ گر ہے جو رگِ بسمل میں ہے

ان کی تیغِ ناز نے اس کے بھی ٹکڑے کر دئے
شکوۂ جور و جفا کچھ لب پہ ہے کچھ دل میں ہے

(۱۰)

اُٹھ گئے محشر خرامی کے فدائی اُٹھ گئے
اب ذرا چلنا زمانے کی ہَوا کو دیکھ کر

بدگمانی نے مری وحشت بڑھا دی اور بھی
اور بھی گم ہو گیا میں رہنما کو دیکھ کر

عالمِ حیرت ہی میری منزلِ مقصود تھی
نقشِ پا خود بن گیا ہوں نقشِ پا کو دیکھ کر

اب وہ حلقے بن گئے ہیں دیدۂ پُریاس کے
میں نے جو پھندے لگائے تھے ہُما کو دیکھ کر

فیض حاصل کرنے کا موقع ملتا۔ تو خدا جانے آپ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔ اس محرومیِ قسمت کے بعد حضرت بسمل بھرت پوری سے بھی جو حضرت داغ دہلوی کے ایک ممتاز اور سر برآوردہ شاگرد تھے۔ کئی سال تک آپ نے خط و کتابت جاری رکھی۔ اصلاحِ کلام کے خیال سے نہیں بلکہ فن اور زبان کے متعلق جو شکوک ہوتے تھے۔ اُن سے رفع کر لیتے تھے آپ کے اس شعر کی اُنہوں نے بہت کچھ داد دی تھی اور واقعی یہ شعر بھی خوب ہے ؎

نہیں ہے تاب عالم کو بیانِ سوزِ پنہاں کی
ہمارے عشق کا دنیا میں چرچا ہو نہیں سکتا

آپ متروکات زبان کے نہایت سختی سے پابند ہیں۔ ایسے کلام کو پسند نہیں کرتے جس میں علاوہ زبان کے اور کچھ نہ ہو۔ پیچیدہ بیانی سے دُور اور فارسیت سے بیزار ہیں۔ غزل کو مرثیہ بنا دینا دل کی گہرائیوں اور زخم ریزیوں کے چکر میں پڑنا یا ایسا کلام جسے کہنے والا ہی یا مجذوب ہی سمجھ سکے۔ قطعی مرغوب نہیں۔ اس جگہ مولانا حالیؔ کا قول یاد آگیا۔ وہ فرماتے ہیں۔ سب سے اچھا شعر وہی ہے۔ کہ جس کو سُنایا جائے۔ اُس کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہو کہ ایسا تو مَیں بھی کہہ سکتا ہوں۔ مگر جب کہنے کو بیٹھے۔ تو نہ کہہ سکے۔ ایسے کلام کے بے حد مدّاح ہیں۔ جس میں زبان اور تخیّل دوش بدوش ہوں۔

نظم کے متعلق کوئی شعبہ ایسا نہیں۔ جس میں آپ شعر نہ کہ سکتے ہوں اور نہ کہے ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر پہلو پر گہری نظر ڈالتے ہیں۔ اور حتی الوسع کوئی بات فروگزاشت نہیں ہونے پاتی۔ ان سب خوبیوں پر نظر رکھ کر میں دعوے سے یہ کہونگا۔ کہ آپ درحقیقت وہبی شاعر ہیں اور بالطبع سخن گوئی میں زبان کی خوبی کے ساتھ ساتھ تخیل کو بالالتزام قائم رکھتے ہیں۔ مضمون کی پیچیدگی۔ دِقّت پسندی۔ فارسیت کی فضول بھرمار وغیرہ وغیرہ کہیں آپ کے کلام بلاغت نظام میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔

نوح ناروی

نوٹ:۔ اس کے بعد اس مضمون کا بہت سا تنقیدی حِصّہ ہے۔ اور اس میں بیسیوں اشعار کی تنقید کی گئی

(۱۱)

پُوچھتے ہیں قعرِ دریا میں لبِ ساحل سے ہم ـــــ کچھ بتا دے ہم کو کتنی دور ہیں منزل سے ہم
بحرِ دنیا کو جو پایا ڈوب مرنے کا مقام ـــــ مٹ گئے ٹکرا کے موجوں کی طرح ساحل سے ہم
گور کی منزل بھی نکلی اک مقامِ امتحاں ـــــ خاک میں مل کر بھی کوسوں دور ہیں منزل سے ہم
یادِ گردابِ فنا میں خوف کا عالم یہ ہے ـــــ پار ہو کر ڈرتے ہیں خمیازۂ ساحل سے ہم

---

(۱۲)

رہا نہ جب کوئی نخچیرِ نالۂ بُلبل ـــــ چلا ہے سُوئے فلک تیرِ نالۂ بُلبل
چمن کو چھوڑ کے صحرا کو کس طرح جائیں ـــــ پڑی ہے پاؤں میں زنجیرِ نالۂ بُلبل
کیا ہے سینۂ آہن بھی چاک چاک اس نے ـــــ قفس میں دیکھئے تاثیرِ نالۂ بُلبل
ہُوا ہے باغ میں روشن چراغِ گُل شاید ـــــ چمک گئی ہے جو تقدیرِ نالۂ بُلبل

(۱۳)

اک فقط میں ہی تو نا کام نہ آیا ظالم — خاک اُڑاتی ترے کوچے سے صبا بھی آئی

بُجھ گیا آہ چراغِ دلِ سوزاں بھی مرا — گور میں بادِ فنا بعدِ فنا بھی آئی

پھُولنا نخلِ تمنّا کا مرے کیا ممکن — آہِ پُر سوز اُسے آگ لگا بھی آئی

تیغِ قاتل نے جو مقتل میں کیا قتل مجھے — جان کے ساتھ مرے لب پہ دعا بھی آئی

---

(۱۴)

بندۂ مُہر بہ لب ہوں میں ثنا خواں تیرا — دل میں رکھتا ہوں مقفّل غمِ پنہاں تیرا

حسنِ بے پردہ عیاں ہے ترا شعلے کی طرح — آگ اُس دل کو لگے جو نہیں خواہاں تیرا

قلزمِ عشق کے طوفان سے بچنا معلوم — اے دلِ زار اب اللہ نگہباں تیرا

آبِ کوثر بھی ہو اُس جام پہ صدقے سو بار — جس میں تجھ کو نظر آئے رُخِ تاباں تیرا

(۱۵)

اُنگلیاں ہر طرف سے اُٹھتی ہیں
طرّۂ امتیاز نے مارا

موت کی زد سے بچ گیا جو کوئی
اُس کو عمرِ دراز نے مارا

زندگی چین سے گزرتی تھی
چشمِ نظارہ باز نے مارا

کوئی دم ساز کوئی ہے جاں باز
آپ کے ساز باز نے مارا

---

(۱۶)

مختصر بھی ہے اور جامع بھی
کیا ہُوا کا جواب کیا نہ ہُوا

جو رہیں بھی وہی ہے اوچھا پن
اس ادا کا بھی حق ادا نہ ہُوا

ہاں کہو کچھ ہمیں بھی ہو معلوم
وہ گِلہ کیا جو برملا نہ ہُوا

وہ جفا دوست وہ وفا دشمن
خیر گزری کہ آشنا نہ ہُوا

(۱۷)

فکرِ امروز و غمِ فردا سراسر بے محل
تو اگر گھر میں ہے تو سب کچھ ہمارے گھر میں ہے

منزلِ مقصود پر پہنچے تو پہنچے کس طرح
ڈھونڈنے والا امید و بیم کے چکّر میں ہے

نقشِ اُلفت مٹ گیا تو داغِ اُلفت ہیں بہت
شکر کر اے دل کہ تیرے گھر کی دولت گھر میں ہے

نزع میں پیشِ نظر ہیں عمر بھر کے واقعات
ساری دنیا کا مرقع آخری منظر میں ہے

---

(۱۸)

کہنے والا کیا کہے کیونکر کہے کب تک کہے
آ نہیں سکتیں مری خاموشیاں تقریر میں

دلربائی بھی وہی ہے کج ادائی بھی وہی
آپ ہی کا رنگ دیکھا آپ کی تصویر میں

کب مجھے فکرِ دلِ برباد سے فرصت ملی
عمر گزری ہے خراب آباد کی تعمیر میں

رازِ تخلیقِ انسان میں ہے کچھ کھلتا نہیں
رنگِ خاموشی بھی ہے اس بولتی تصویر میں

آتش

(۱)

کامل کی جو پوچھو تو نہیں خضر بھی کامل　　جینا اُسے آتا ہے تو مرنا نہیں آتا
وہ عیب ہی کیا جسکو نُمو سے نہیں نسبت　　وہ داغ ہی کیا جس کو اُبھرنا نہیں آتا
نااہل ہے وہ اہلِ سیاست کی نظر میں　　وعدے سے کبھی جس کو مُکرنا نہیں آتا

---

(۲)

لعنت اے اُلفتِ فریب انجام　　ابتدا کیا تھی انتہا کیا ہے
یہ جوانی یہ ترکِ صحبتِ مے　　آپ کی عقل کو ہُوا کیا ہے
آپ بے وجہ مدعی کیوں ہیں　　آپ کا اس سے مدعا کیا ہے

---

(۳)

پردہ داریِ محبت بھی مزے کی چیز تھی
دل کی بیتابی نے یہ مضمون عُریاں کر دیا

دل جلوں کی آہ کا اتنا اثر کچھ کم نہیں
بجلیوں کو مضطرب شعلوں کو لرزاں کر دیا

گریۂ شرمِ گنہ سے اور رُسوائی ہوئی
داغِ عصیاں میں نے دھو دھو کر نمایاں کر دیا

---

(۴)

دل پہ وہ تیرے ستم تیری جفا تیرا غضب
عمر بھر یاد رہا یاد رہی یاد رہے

مجھ کو اتنا بھی نہ برباد کر اے برقِ بلا
گلشن اُجڑا تو قفس ہی مرا آباد رہے

جور میں بھی ہے نمایاں تیری قدرت کا کمال
جن کو برباد کیا تو نے وہ برباد رہے

---

(۵)

ہر مرگ و زندگی میں یہ فرق ہی نمایاں
وہ ایک مدعی ہے یہ ایک مدعا ہے

حُسن اور مہربانی عشق اور شادمانی
ایسا کبھی نہ ہوگا ایسا کبھی ہوا ہے

کھوئے گئے ہم ایسے یہ آج تک نہ سمجھے
موجود ہے تو کیا ہے نابود ہے تو کیا ہے

---

(۶)

امید پہ موقوف ہے جاں بازیِ اُلفت
دل بیٹھ گیا ہو تو ستم اُٹھ نہیں سکتا

سرگرم سفر رکھتا ہے دردِ دلِ بیتاب
اُٹھے نہ اگر یہ تو قدم اُٹھ نہیں سکتا

اندازِ کرم اُن کے ستم میں بھی ہیں پنہاں
لیکن یہ ستم ہے کہ ستم اُٹھ نہیں سکتا

---

(۷)

مانیں گے وہ کبھی نہ ہمارے کمال کو
تارے بھی توڑ لائیں اگر آسماں سے ہم

جو کہہ رہے ہو تیرِ جفا کے دہن سے تم
وہ سُن رہے ہیں تیغِ ستم کی زباں سے ہم

ہنس ہنس کے کہہ رہے ہیں شہیدِ وطن کے پھول
پامال ہو سکیں گے نہ جورِ خزاں سے ہم

---

(۸)

اُس حُسن سے اُمیّد نہ رکھ مرہمِ دل کی
جتنی ہے ملاحت وہ نمکداں کیلئے ہے

بجلی نے کیا خاک چمن جس کا جلا کر
آندھی بھی اُسی سوختہ ساماں کیلئے ہے

اب نبض دکھانے کا وہ سودا نہیں سر میں
اب ہاتھ مرا وقف گریباں کیلئے ہے

---

(۹)

اللہ اللہ تیرے جلووں کا ہمہ گیر اثر
جس نے کچھ ہوش سنبھالا وہی دیوانہ ہُوا

دل کو سو داغ مرے عہدِ جوانی نے دیئے
شبِ تاریک میں روشن یہ سیہ خانہ ہُوا

عرضِ مطلب پہ وہ گھبرا کے یہ فرماتے ہیں
چار حرفوں کا یہ شکوہ تھا جو افسانہ ہُوا

---

(۱۰)

دُور جا پہنچا غبارِ کارواں،
میری مشتِ خاک تنہا رہ گئی

سب تمنّائیں ہماری مر چکیں
ایک مرنے کی تمنّا رہ گئی

نغمۂ عشرت گیا عشرت کے ساتھ
اک صدائے وا دریغا رہ گئی

اور بہت سی داد دی گئی ہے۔ یہ حصّہ مجموعہ کلام کے دوسرے دَور کے لئے محفوظ رکھ لیا گیا ہے۔ البتہ اسی سلسلہ میں موصوف کے وہ چند اشعار جو انہوں نے رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور کے جوبلی نمبر ۱۹۳۱ء کے لئے ایک طویل نظم میں شامل فرما کر ارسال فرمائے تھے۔ اور جنہیں موصوف کا حسنِ ظن کہنا چاہیئے اگلے صفحہ پر بہ صد شکریہ درج کئے جاتے ہیں۔ فقط

جوشؔ ملسیانی

دو آتش

(۱)

وہ داغ ہوں جو کبھی شست و شو سے جا نہ سکے
وہ نقش ہوں کہ زمانہ جسے مٹا نہ سکے

جمالِ دوست نے بیخود بنا دیا ایسا
سرِ نیاز بھی محفل میں ہم جھکا نہ سکے

(۲)

ہوتی ہے چشمِ طور کا سُرمہ اُنہیں کی خاک
جو خاک ہو گئے ہیں تری رہگذار میں

نکلا ہوں میں نحیف گلستاں سے اِس لئے
کانٹا چُبھے نہ پائے نسیمِ بہار میں

(۳)

دیکھ کر کس رُخِ رنگیں کو میں بیہوش ہُوا
ہر گُلِ تر مجھے دامن کی ہَوا دیتا ہے

میں وہ ہوں دارِ فلک کا کبھی چلنے ہی نہ دوں
اُس کا جُھکنا مری گردن کو جُھکا دیتا ہے

(۴)

جلوۂ رُخ دکھا کہیں دل کی خلش مٹا کہیں
نیند ہی بن کے آ کہیں دیدۂ انتظار میں

لالۂ صحنِ باغ ہوں گو ہر شب چراغ ہوں
پھر بھی میں ایک داغ ہوں دامنِ روزگار میں

(۵)

بیگناہوں پہ اُٹھاؤ نہ ستم کی تلوار
اِدھر آؤ کہ خطا وار تمہارا میں ہوں

خندہ زن مجھ پہ ہیں اُن رندِ مے آشام بھی اب
دل شکستہ ہوں کہ ٹوٹی ہوئی توبہ میں ہوں

(۶)

اُس بزم میں رنگینیِ صُحبت نہیں رہتی
جس بزم میں کچھ ذکر ہمارا نہیں ہوتا

کیوں عید کا تُم چاند بنے رہتے ہو اے جوشؔ
کیا بات ہے دیدار تمہارا نہیں ہوتا

(۷)

غم جو کھاتا ہوں تو مجھ کو کھائے جاتا ہے یہ غم
کھاؤنگا پھر کیا میں دنیا بھر کا غم کھانے کے بعد
دُور کر دیتا ہے راہِ شوق کی تاریکیاں

شمع بن جاتا ہے ہر پروانہ جل جانے کے بعد

(۸)

ماہِ نو پر بھی اٹھی ہیں ہر طرف سے انگلیاں
جو کوئی دنیا میں آیا اُس کی رُسوائی ہوئی
میری ذاتِ غیر فانی میں فنا کو دخل کیا
اے اجل آئی یہاں تو کس کی بہکائی ہوئی

(۹)

محشر میں بھی وہی تھیں مری مے پرستیاں
ہاتھوں میں میرے جام مئے یا غفور تھا
مجھ کو بچا لیا لبِ شیریں کے فیض نے
باتوں میں تم نے زہر ملایا ضرور تھا

(۱۰)

تیرے فیضِ حُسن کے ہیں یہ کرشمے جابجا
باغ میں گُل ابر میں بجلی فلک پر آفتاب
ہمسری کیا کر سکے آوارگانِ عشق سے
اپنے بُرجوں سے کبھی نکلا نہ باہر آفتاب

بدگمانی سے مٹاتا ہوں طلسمِ آرزو (۱۱) اپنی محنت آپ ہی برباد کر لیتا ہوں میں
خون رو رو کر سناتا ہوں بیانِ عاشقی اِس طرح رنگین یہ رُوداد کر لیتا ہوں میں

(۱۲)

یہی التجا ہے کہ اے خدا مجھے حشر سے تو مُعاف رکھ
وہ ترے حضور میں آئے کیا جو کسی کو مُنہ نہ دکھا سکے
یہ ادا ہوئی کہ جفا ہوئی یہ کرم ہُوا کہ سزا ہوئی
اُسے شوقِ دید عطا کیا جو نگہ کی تاب نہ لا سکے

آموں کا شکریہ

(ساحر صاحب ہوشیارپوری کی خدمت میں)

میں گوشہ نشیں ہو کے بھی گمنام نہیں میخانۂ شہرت میں تہی جام نہیں
ساحر نے بھی امتیاز سے کام لیا بھیجے ہیں جو آم خاص ہیں عام نہیں

چند مقطعے

جنابِ جوشؔ جو مشہور تھے اربابِ دانش میں
بڑے آشفتہ دل نکلے بڑے شوریدہ سر نکلے

خالی نہیں ہے جوشؔ گنہ سے کوئی بشر
کس کس پہ مہربان خدائے غفور ہو

ہجر میں کون ہو رفیق اے جوشؔ
قافیہ اس کے ساتھ کا نہ ملا

خاکساری نے مجھے پاک بنایا اے جوشؔ
ایک بھی داغِ رعونت مرے دامن میں نہیں

یہ زمیں اے جوشؔ کتنی خشک ہے
ہو سکے کیا مصرعِ تر کی تلاش

مصیبت میں رہے ہیں ہم جوشؔ محرومِ اجل ہو کر
ہمارا بچنا آفت سے بچ جانا بھی آفت ہے

انکار کیجیئے نہ کمالاتِ جوشؔ سے
کم گو سہی مگر وہ سخنور ضرور تھا

طوفِ منزل سے مرا اے جوشؔ جی بھرتا نہیں
پاؤں میں چکّر تو تھا اب پاؤں بھی چکّر میں ہے

جُرعات

سرگزشتِ اہلِ محفل ہے بہت ناگفتنی　　　شمع کو معلوم ہے سب کچھ مگر خاموش ہے

اب اِس شکوے سے کیا حاصل کہ رہبر خود غرض نکلا
پرائی آس جو تکتے ہیں اکثر خوار ہوتے ہیں

منہ سے بولیں سر سے کھیلیں تیرے کُشتے رات دن
تُو نے کیا جادو یہ اے شمشیرِ قاتل کر دیا

معّما بن گئی تحریر پاسِ رازداری سے　　　وہ اتنا بھی نہ سمجھے یہ کہانی کون کہتا ہے

یا حُسنِ خود نما کہیں رکھئے حجاب میں　　　یا گرمیِٔ نگہ کا گِلہ چھوڑ دیجئے

جنوں کی چیرہ دستی زندگی کے ساتھ جائے گی
عدم آباد کی حد سے ملا ہے چاک دامن کا

کون جانے کون سمجھے چاک دامانی کا راز
تم ہیں اے اہلِ بصیرت کوئی دیوانہ بھی ہے

کیونکر ہو ضبطِ راز کہ اکثر بنا دیا
میری خموشیوں نے سراپا دہن مجھے

مقتل میں مجھ کو دیکھ کے وہ تیز ہو گئے
چلنے لگی زبان بھی تلوار کی طرح

وہ لطف ہی نہیں اب وہ بات ہی نہیں اب
یا میں بدل گیا ہوں یا تو بدل گیا ہے

ترے انداز پر عمرِ رواں کچھ شک گزرتا ہے
لئے جاتی ہے تو مجھ کو کدھر آہستہ آہستہ

میرے نغمے سُن گئے تبخانے کی ہر مُورت ہے مست
پھُول برساتے ہیں مجھ پر سینکڑوں پتّھر کے ہاتھ

نزع کے عالم میں بھی دیکھیں عجب نیرنگیاں
ایک منظر ہے پسِ پُشت ایک منظر سامنے

ہُوا ہوں سوزِ غم سے ناتواں اتنا کہ نالے بھی
چراغِ کشتۂ گورِ غریباں ہوتے جاتے ہیں

ناکامِ تمنّا ہوں میں اُس اشک کے مانند
مرتے ہوئے عاشق کی جو آنکھوں میں رُکا ہو